POSTED AT LPC Delhi RMS
ON 10-11 August 2024, R.N.I No. 2186/57

POSTAL REGN. NO. DL (C) - 01/1195/2024-26, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) - 160/2024-26, ISSN 2456-8511

Total Pages 8

HAMARI ZABAN
(Weekly)

ہفت روزہ
ہماری زبان
اشاعت کا 85 واں سال

Date of Publication: 09-08-2024 • Price: 5/- • 15-28 August 2024 • Issue: 31,32 • Vol:83

۱۵تا۲۸/اگست ۲۰۲۴ء • شمارہ:۳۱،۳۲ • جلد:۸۳

اُردو سفرناموں کا تنقیدی جائزہ

مرضیہ عارف

سیر وسفر کا شوق انسانی فطرت میں داخل ہے اور اِس کا سلسلہ انسانی وجود کے آغاز سے مسلسل جاری ہے۔ انسان ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے اردگرد پر جب نظر ڈالتا ہے تو اُس کے دل میں اپنا شہر، ملک اور دنیا دیکھنے کی خواہش پروان چڑھنے لگتی ہے، یہی شوق وجذبہ اُس کے سفر کا باعث بنتا ہے، تاہم ایسے خوش نصیب کم ہوتے ہیں، جنھیں دنیا دیکھنے کا موقع ملتا ہے اور وہ تو اور بھی کم ہوتے ہیں جو سفر کے دوران یا منزل پر پہنچ کر اپنے مشاہدات وتجربات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں اور اپنے اوپر بیتی کیفیات وحالات میں دوسروں کو شریک کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا پیش آئے تحیر واستعجاب کو اِس طرح قلم بند کردیتے ہیں کہ پڑھنے والے کے سامنے منظر وپس منظر واضح ہوجاتا ہے اور اِس کے ذریعے اپنے و پرائے شہروں، ملکوں کے موسم، آب و ہوا، جغرافیائی معلومات، تاریخی کوائف، سماجی حالات اور قابلِ ذکر مقامات وعمارات اُن کی رائے کے ساتھ سامنے آکر تاریخ کا حصّہ بن جاتے ہیں۔ سفر کو وسیلۂ ظفر بھی اِسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کے دل ودماغ کو روشن کرنے اور معلومات میں اضافہ کا باعث بنتا ہے۔

سفر بھی کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ کئی لوگ اپنے مذہبی عقائد کے مطابق مقدس ومتبرک مقامات کی زیارت کے لیے سفر کرتے ہیں تو بعض تجارتی مقاصد کو لے کر عازمِ سفر ہوتے ہیں جب کہ اکثر لوگوں کو سیر وسیّاحت کی خواہش سفر پر آمادہ کرتی ہے، یہ سلسلہ کافی پہلے سے جاری ہے۔ دنیا میں ایسے بھی سیّاح گزرے ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کا مقصد سفر وسیّاحت بنالیا تھا اور ایسے زمانے میں دور دراز کے ملکوں وعلاقوں کی سیّاحت کی، جب بہت خطرات تھے، آج کی طرح نہ برق رفتار سواریاں تھیں نہ آمدورفت کے دوسرے سامان تھے، پھر بھی جان و مال کے خطرات کو نظرانداز کرکے انھوں نے ایک برّ اعظم سے دوسرے برّ اعظم تک ہزاروں میل خشکی و پانی کا سفر کیا، خطرناک جنگلوں، دُشوار گھاٹیوں، انجان وادیوں اور تیز بہنے والے دریاؤں کو عبور کرکے منزلِ مراد تک پہنچ گئے جس کے دوران اُن کا استقبال ہوا اور حوصلہ شکنی بھی کی گئی۔

اِن حوصلہ مند سیّاحوں میں ابنِ بطوطہ سب سے مشہور ہیں، جو آٹھویں صدی ہجری میں گزرے۔ ربع صدی مشرق ومغرب کی سیّاحت میں بسر کردی اور اپنا دل چسپ ومعلوماتی سفرنامہ 'تحفۃ النظار' تحریر کیا۔ علاوہ ازیں البیرونی، مارکوپولو، فاہیان، ناصرخسرو، شیخ سعدی، ابن جبیر اُندلسی، سلمان تاجر ادریسی، ابنِ ہیکل بغدادی، ابوریحان بیرونی وہ سیّاح ہیں جنھوں نے دنیا کے دور دراز برّ اعظموں کا سفر کیا اور جہاں قدم رکھے وہاں کی تہذیب، معاشرت اور تاریخی حالات کا مطالعہ وتجزیہ کرکے اپنے سفرناموں میں اُن کو نمائندگی دی، سب سے اہم بات یہ ہے کہ تاریخ کے گمشدہ پہلوؤں کو جوڑنے میں وقت کے مورّخوں کی رہبری کا کام انجام دیا۔ لیکن یہ بھی ایک تاریخی سچائی ہے کہ اِن سیّاحوں سے قبل عرب سیّاح اِن راہوں کو ناپ چکے تھے۔

جہاں تک سفرنامے لکھنے کی روایت کا سوال ہے تو یہ زیادہ قدیم نہیں، اُردو میں داستانوں کی روایت تو عام تھی، جن میں واقعات، تجربات، مشاہدات اور چشم دید مناظر کا ذکر ہوتا تھا، بادشاہوں کے مقربین روزنامچے اور ڈائریاں لکھا کرتے تھے۔ اٹھارہویں صدی سے قبل کسی ایسے ہندستانی سیّاح کا سراغ نہیں ملتا جس نے کسی دوسرے ملک کی سیّاحت کی ہو اور اُس کے حالاتِ سفر لکھے ہوں۔ اٹھارہویں صدی کے آخر میں ضرور دو ہندستانی سیّاحوں نے انگلستان کا سفر کیا لیکن اِس کی روداد فارسی زبان میں لکھی گئی۔ پہلے سیّاح اعتصام الدین بنگالی کا سفرنامہ 'شگرف نامہ ولایت' ہے اور دوسرے مشہور سیّاح ابوطالب لکھنوی ہیں، جن کا سفرنامہ 'میر طالبی' اپنے معیار ومواد کے اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔

اردو زبان میں پہلا سفرنامہ جو لکھا گیا 'عجائباتِ فرنگ' ہے، جس کے مؤلف مشہور، آزاد منش سیّاح یوسف خاں کمبل پوش ہیں۔ انھوں نے 1837 میں انگلینڈ کا سفر کیا۔ ان کا مقصد محض سیر وتفریح تھا لیکن اُس ملک کی صنعتی ترقی نے اُن کو حیرت زدہ کردیا۔ وہاں کی ایجادات و اختراعات کو دیکھ کر ان کو ہندستان کی غربت اور بدحالی کا احساس ہوتا ہے جس پر انھوں نے اظہارِ افسوس کیا ہے۔ اس سفرنامے میں اُنھوں نے انگلینڈ کی تہذیب ومعاشرت کا جائزہ لیا اور اُن کے محاسن ومعائب پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔ یوسف خاں حیدرآباد کے رہنے والے تھے کچھ عرصہ بادشاہِ اودھ نصیرالدین حیدر کی ملازمت میں رہے۔ انگلستان کی سیّاحت کے بعد جب واپس آئے تو مختلف شہروں میں گھوم پھر کر لکھنؤ پہنچے۔ اُن کا سفرنامہ پہلی بار 1847 میں دہلی سے شائع ہوا۔ دوسرا اڈیشن مطبع نول کشور نے کچھ عرصہ بعد شائع کیا۔ یہ اردو زبان کا پہلا سفرنامہ ہے، اِس لیے اِس کی اہمیت مسلّم ہے۔ اس کی زبان اور اندازِ بیاں قدیم طرز کی عام نثری تحریروں کا نمونہ ہے۔

اُردو میں سفرناموں کا ارتقا 1857 کے ہنگامے ختم ہونے کے بعد ہوا اور رفتہ رفتہ یہ اردو ادب کی ایک اہم صنف شمار ہونے لگی۔ اس زمانے میں مسافروں اور سیّاحوں کو برّی اور بحری سفر کے لیے تیز رفتار سواریاں ملنے لگیں اور مختلف طبقوں کے لوگوں میں سیر وسیّاحت کا ذوق و شوق بڑھنے لگا۔ سفر کرنے والوں میں ان لوگوں کی اکثریت تھی جو حج اور مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے سفر کرتے تھے اور اپنے حالاتِ سفر اردو میں لکھتے تھے۔ اس طرح اردو میں سفرناموں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔ ان سفرناموں میں بعض کو ادبی حیثیت بھی حاصل ہوئی۔ ان میں نئے اندازِ بیاں اور اسلوبِ نگارش کے دلکش نمونے ملتے ہیں۔

1857 کے بعد جو سفرنامے لکھے گئے اور جو ادبی حیثیت سے بھی معیاری ہیں، اُن میں محمد حسین آزاد کا 'سیرِ ایران' زبان اور اندازِ بیان کے اعتبار سے بہت دل کش اور دل چسپ ہے۔ اس کے بعد سرسیّد احمد خاں کا سفرنامہ 'مسافرانِ لندن' بہت اہم ہے۔ سرسیّد احمد خاں نے لندن کا سفر وہاں کے نظامِ تعلیم کا جائزہ لینے کے لیے کیا تھا۔ ساتھ ہی اپنے بیٹوں کو جدید تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہاں داخل کرانا مقصود تھا۔ ان کا سفرنامہ جملہ معلومات پر مشتمل اور بہت ہی دل چسپ ہے، سرسیّد کی زبان اور اندازِ بیاں بہت سادہ اور شگفتہ ہے۔ یہ سفر سرسیّد نے 1869 میں کیا تھا۔

سرسیّد کے سفرنامے کے بعد مولانا شبلی نعمانی کا سفرنامہ 'روم ومصر وشام' بہت اہمیت کا حامل ہے۔ شبلی نے یہ سفر سیر وسیّاحت کے علاوہ مذکورہ ممالک کے معاشرتی حالات سے واقفیت کے لیے اور خاص طور پر مذکورہ ممالک کے نظامِ تعلیم اور مشہور کتب خانوں کے مخطوطات اور

قارئین! اب 'ہماری زبان' کا مطالعہ انجمن ترقیِ اردو (ہند) کی ویب سائٹ www.atuh.org پر بھی کرسکتے ہیں جہاں اِسے مفت میں ڈاؤن لوڈ کرنے کی سہولت بھی موجود ہے۔

مطبوعات کا جائزہ لینے کے لیے کیا تھا۔شبلی کے دل کش اندازِ بیان نے اِس سفرنامے کوایک ادبی شہ پارے کی حیثیت دے دی ہے۔اس زمانے میں متعدد سفرنامے شائع ہوئے اور یہ سلسلہ بڑھتا رہا۔علامہ شبلی نعمانی کے سفرنامے کے بعد مولوی محبوب عالم اڈیٹر 'پیسہ' اخبار کا 'سفرنامۂ یورپ' خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔1908 کا یہ سفرنامہ یورپ کی صنعتی ترقی کے حالات پر مشتمل ہے۔اس میں انھوں نے مبالغہ آرائی کے بغیر وہی حالات اور واقعات لکھے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔اندازِ بیان سادہ وشستہ اور زبان کے اعتبار سے بھی معیاری سفرنامہ مانا جاتا ہے۔

بیسویں صدی میں سفری سہولتوں میں اضافہ ہونے سے جہاں سفر کرنے والوں کی تعداد بڑھنے لگی تو وہیں حالاتِ سفر بیان کرنے کا شوق بھی بڑھ گیا،لہٰذا منشی محبوب عالم کا سفرنامہ 'یورپ'، شیخ عبدالقادر کا سفرنامہ 'مقامِ خلافت'، خواجہ حسن نظامی کا سفرنامہ 'مصر، فلسطین، شام و حجاز'، قاضی عبدالغفار کا 'نقشِ فرنگ'، قاضی ولی محمد کا 'سفرنامۂ اُندلس' شائع ہوئے۔ اِن سفرناموں میں عجائباتِ عالم کے ساتھ گوناگوں مشاہدات کا بھی ایسے سلیقے سے بیان ہوا ہے کہ پڑھنے والوں میں دنیا دیکھنے کا شوق بڑھ گیا اور اُردو ادب کی یہ صنف بتدریج ترقی کی طرف گامزن رہی۔ بیسویں صدی کے وسط سے اردو کے بعض ترقی پسند ادیبوں نے مختلف ممالک کی سیر وسیّاحت کی اور اپنے حالاتِ سفر کچھ نئے انداز سے لکھے۔ان میں پروفیسر احتشام حسین کا سفرنامہ 'ساحل و سمندر' بہت مشہور ہے۔احتشام حسین نے 1952 میں امریکہ کی سیّاحت خاص علمی مقاصد کے تحت کی تھی۔ کچھ دن انگلینڈ میں بھی گزارے تھے۔ یہ سفرنامہ نئی دنیا کے تعلیمی اور ادبی حالات کے علاوہ وہاں کی مادّی ترقی پر بھی روشنی ڈالتا ہے اور نہایت دل چسپ ہے۔ادبی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔'ساحل وسمندر' 1954 میں شائع ہوا تھا۔

مذہبی رنگ وآہنگ کے بعض سفرنامے جو ادبی حیثیت سے بھی اہم ہیں،ان میں مولانا عبدالماجد دریابادی کا 'سفرنامۂ حج' اور 'دو ہفتہ پاکستان میں' بہت دل چسپ ہیں جن میں اُن کا خاص اسلوب و اندازِ بیان نظر آتا ہے۔ اِسی سلسلے میں مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کا سفرِ ترکی بہت دل چسپ اور علمی وتاریخی حالات پر مشتمل ہے۔موصوف نے خاص طور پر وہاں کے علمی اور دینی حالات کا جائزہ لینے کے لیے یہ سفر کیا تھا۔ انھوں نے انگورہ، استنبول، قسطنطنیہ اور حلب جیسے مشہور مقامات کی سیر کی۔مولانا کا طرزِ تحریر بہت شگفتہ ہے،اُن کی نثر میں علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سیّد سلیمان ندوی کا رنگ جھلکتا ہے۔اسی کے ساتھ اُن کے اندازِ بیان میں بڑی رعنائی ودل کشی ہے۔انھوں نے دنیا کے دیگر ممالک کا بھی سفر کیا ہے اور بعض ملکوں کے حالاتِ سفر مضامین کی صورت میں پیش کیے ہیں۔ اِن میں بھی اُن کے طرزِ تحریر کی خصوصیات نمایاں ہیں۔ ان سب کو یکجا کر دیا جائے تو ممالک اسلامیہ، یورپ اور امریکہ کے اخلاقی، معاشرتی اور دینی حالات پر مشتمل ایک علمی، ادبی اور تاریخی سفرنامہ مرتب ہوسکتا ہے جو اِس صنف میں اضافہ ہوگا اور ادبی اعتبار سے اردو نثر کا اعلا نمونہ شمار ہوگا۔مولانا ابوالحسن علی ندوی سے پہلے اُن کے والدِ ماجد مولانا حکیم عبدالحئی صاحبِ 'گلِ رعنا' نے ایک سفرنامہ 'دہلی اور اس کے اطراف' تحریر کیا تھا۔ یہ ایک تاریخی اور تاثراتی سفرنامہ ہے، جس میں دہلی کی مشہور عمارات، علما وصلحا کے مزارات اور دیگر اسلامی عمارتوں کی تاثراتی مرقع کشی بڑی دردمندی اور حسنِ عقیدت کے ساتھ کی گئی ہے۔مولانا عبدالحئی اردو زبان وادب کے رمز شناس تھے۔انھوں نے اردو میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

صنفِ سفرنامہ کی ایک قسم مزاحیہ سفرناموں کی ہے۔اس صنف نے بھی ترقی کی طرف رُخ کیا ہے اور اِس کے بعض دل چسپ نمونے ادبی دنیا کے سامنے آچکے ہیں، جن کا مختصر ذکر ضروری ہے۔اس سلسلے میں کرنل محمد خاں کا نام بہت نمایاں ہے۔انھوں نے ایک فوجی افسر کی حیثیت میں، بیروت سے ایران تک سفر کیا تھا، جس کا حال اپنے مشہور سفرنامہ 'بجنگ آمد' میں کیا ہے۔انھوں نے اپنے حالاتِ سفر ایسے انوکھے مزاحیہ اور طنزیہ انداز میں لکھے ہیں کہ پڑھنا شروع کرو تو کتاب ختم کیے بغیر ہاتھ سے رکھنا مشکل ہوتا ہے۔زبان اور اندازِ بیاں بھی نہایت دل کش ہے، ہر جملہ لطف سے خالی نہیں۔ یہ اپنی نوعیت کا منفرد سفرنامہ ہے جو مذکورہ ممالک اور اُن کے باشندوں کی خصوصیات اور معاشرت کا آئینہ دار ہے۔اس کے بعد مشہور ادیب اور مزاح نگار ابنِ انشا کا نام اس صنف میں سرفہرست ہے۔انھوں نے ایک نئے اسلوب و انداز کی بنیاد ڈالی۔ اپنے حالاتِ سفر اختصار کے ساتھ، دل چسپ طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں تحریر کیے ہیں۔وہ اپنے ایک خاص طرز کے موجد ہیں۔اُن کا سادہ و شگفتہ طرزِ بیان، ایما و اشارات اور تلمیحات نے اُن کے حالاتِ سفر کو نہایت دل کش بنا دیا ہے۔ان کی تحریروں سے لطف اندوز ہونے کے لیے قدیم وجدید علوم سے کسی قدر واقف ہونا ضروری ہے تاکہ اُن کے ایما و اشارات سے پورے طور پر لطف اندوز ہونا ممکن ہو۔انشا کے اکثر جملوں پر مسکراہٹ کے بجائے قہقہے کی نوبت آجاتی ہے۔انھوں نے کوئی مسلسل سفرنامہ نہیں لکھا۔اپنے ملک کے نمائندہ کی حیثیت سے تقریباً تین چوتھائی دنیا کا سفر کیا اور ہر جگہ اپنے مختصر قیام میں اپنی ذہانت اور وسیع النظری سے پورے ملک کی اہم خصوصیات سے واقفیت حاصل کر لی اور ان کو مختصر مضامین کی صورت میں اپنے مزاحیہ انداز میں تحریر کر دیا۔ یہ مضامین اخبارات میں قسط وار شائع ہوتے رہے۔ان کے مشہور مجموعہ ہائے مضامین میں 'آوارہ گرد کی ڈائری'، 'دنیا گول ہے' اور 'چین چلو چین' بہت مشہور اور مقبول ہیں۔

مزاحیہ انداز کے سفرناموں سے قطع نظر اِس صنف میں جدت طرازی کا رجحان بڑھتا رہا ہے۔ نئے اُسلوب و انداز کے دل چسپ سفرنامے نظر آنے لگے ہیں، جن کی بدولت سفرناموں کا مستقبل روشن نظر آتا ہے۔اس طرز کا پہلا سفرنامہ 'جرنیلی سڑک' ہے جسے رضا علی عابدی نے مرتب کیا ہے۔ یہ شیر شاہ سوری کی بنوائی سڑک کے کنارے آباد مقامات کا نہایت دل چسپ اور معلوماتی سفرنامہ ہے۔ شیر شاہ نے کلکتہ سے پشاور تک ایک پختہ سڑک تعمیر کرائی تھی جو جرنیلی سڑک اور گرانڈ ٹرنک روڈ کے نام سے مشہور ہے۔ عابدی صاحب نے بی.بی.سی لندن کی طرف سے اِس سڑک کے کنارے آباد شہروں اور مشہور مقامات کا سفر کیا۔ جو ہندستان اور پاکستان دونوں ملکوں میں آباد ہیں۔تمام مقامات کے تاریخی حالات، تہذیب و معاشرت اور تبدیلیوں کا ذکر تفصیل سے ہے۔اُن کا اندازِ تحریر نہایت دل چسپ اور مؤثر ہے۔زبان نہایت دل کش، شگفتہ اور عالمانہ ہے۔ یہ سفرنامہ قسط وار بی.بی.سی لندن سے نشر کیا گیا۔ اب کتابی صورت میں شائع ہوگیا ہے۔ بعد میں ظفر پیامی، محمود شام، ف.س.اعجاز اور مجتبیٰ حسین نے بھی مختلف ممالک کے سفرنامے رقم کیے ہیں جن میں معلومات کے ساتھ نثر نگاری کے معیاری نمونے ملتے ہیں۔

اُردو میں خواتین کی سفرنامہ نگاری کا جائزہ لیں تو اوّلیت کا سہرا نازلی رفیعہ سلطان کے سر ہے۔ نازلی رفیعہ سلطان کا سفرنامہ 'سیرِ یورپ' 1908 میں شائع ہوا۔ سفرنامہ سیرِ یورپ کے دوران ہندستان میں قیام پذیر بزرگوں کو لکھے گئے خطوط پر مشتمل ہے۔ جب کہ اس سفرنامے کی دوسری نمایاں پہچان نسوانی اندازِ تحریر ہے۔ 'سیرِ یورپ' میں ایک مشرقی عورت کی نظر سے یوروپی تہذیب کا مشاہدہ جداگانہ لطف کا حامل ہے۔ دوسری سفرنامہ نگار خاتون بیگم سربلند جنگ بہادر کا سفرنامہ 'دنیا عورت کی نظر میں' 1910 میں شائع ہوا۔ اس سفرنامے کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اُس زمانے میں مشرقی عورت یورپ کے تہذیبی مطالعے کو کس قدر اہمیت دے رہی تھی۔

یوں بیسویں صدی عیسوی کے نصفِ اوّل کی ابتدا خواتین کے سفرناموں میں یورپ کی جانب نظر اُٹھا کر دیکھنے سے ہوئی اور اِسے بھی ایک اتفاق کہہ لیں کہ اردو کی تیسری سفرنامہ نگار خاتون نے سفرنامۂ حجاز قلم بند کیا اور یوں دنیا تک رسائی کے جتن میں ہماری خواتین مرد حضرات سے پیچھے دکھائی نہیں دیتیں۔ تیسری سفرنامہ نگار خاتون نواب سلطان جہاں بیگم (شاہ بانو) والیۂ ریاست بھوپال تھیں۔ ان کا سفرنامہ 'حیاتِ سلطانی' (سفرنامۂ حجاز) 1911 میں اشاعت پذیر ہوا۔ یہاں اس حقیقت کی وضاحت از حد ضروری ہے کہ وسطِ ہند کی مشہور اسلامی ریاست بھوپال کی مسندِ حکومت پر یکے بعد دیگرے چار خواتین بیٹھیں، جن میں نواب سلطان جہاں بیگم اپنی انتظامی قابلیت، تعلیمِ نسواں کی حمایت، تعلیم کے فروغ اور داد و دہش کی وجہ سے از حد مقبول اور مشہور رہی ہیں۔ان کی دیگر کتب میں 'گوہرِ اقبال' اور 'کتابِ معیشت' قابلِ ذکر ہیں۔

بیگم ہمایوں مرزا کا سفرنامہ 'بھوپال و آگرہ و دلّی' 1918 میں سامنے آیا۔ان کا اصل نام صغریٰ تھا۔ یاد رہے کہ ان ہی صغریٰ ہمایوں مرزا کی سرپرستی میں لاہور سے رسالہ 'تہذیبِ نسواں' کا اجرا 1898 میں ہوا تھا۔ آزادیِ نسواں کی حامی خاتون تھیں اور ان کا حلقۂ اثر سارے ہندستان کے متوسط اُردو داں مسلم گھرانوں تک تھا۔اُن کا یہ سفر بھوپال، آگرہ اور دہلی کی تہذیبی بہنوں سے رابطے کی ایک صورت تھی۔ 1924 میں صغریٰ بیگم حیا کا 'سفرنامۂ یورپ' سامنے آیا اور لگ بھگ اِسی زمانے میں فاطمہ بیگم کا 'سفرنامۂ حجاز' شائع ہوا،لیکن خواتین کی سفرنامہ نگاری کے اوّلین دور میں سب سے زیادہ شہرت نشاط النساء بیگم کے حصے میں آئی۔نشاط النساء بیگم (حسرت موہانی کی اہلیہ) کے دو سفرنامے 'سفرنامۂ عراق' (1937) اور 'سفرنامۂ حجاز' (حج نامہ) از حد مقبول ہوئے۔ نشاط النساء بیگم نے اپنے شوہرِ نامدار مولانا حسرت موہانی کے ہمراہ 1936 میں عراق تک کا سفر کیا تھا۔انھوں نے 'سفرنامۂ عراق' قلم بند کرتے ہوئے عراق کے طرزِ تمدن کا گہری نظر سے مشاہدہ کیا اور شگفتہ طرزِ بیان اپنایا تھا۔

ساجدہ ذکی کا سفرنامہ 'خیموں کے شہر میں' اگرچہ حج کے حوالے سے لکھا گیا ہے لیکن بہت مقبول ہوا۔ اِسی طرح 'گوہرِ رازِ دوام' بھی سفرنامہ ہے جس میں کماؤں، گڑھوال کی رودادِ سفر کو قلم بند کیا گیا ہے لیکن اِس کے ذریعے بھرپور جغرافیائی معلومات فراہم ہوتی ہیں ساتھ ہی ہمالیائی حسن کے صوری ومعنوی پہلوؤں کو بھی اُنھوں نے پیشِ نظر رکھا ہے۔

معروف ادیبہ قرۃ العین حیدر نے بنیادی طور پر ایک ناول نگار اور افسانہ نویس کی حیثیت سے شہرت پائی لیکن اُن کے سفرنامے 'جہانِ دیگر' اور 'دکھائیے لے جا کے اُسے مصر کا بازار' ماضی سے گہری محبت اور حال سے عدمِ اِطمینان کے مظہر ہیں نیز تاریخی و تہذیبی کوائف سے بھرے ہوئے ہیں۔ صالحہ عابد حسین کے سفرنامے میں ناول نگاری کی خصوصیات نے سفرنامے کے اُسلوب کو ناول کے قریب کر دیا ہے۔اُن کے یہاں سچائی اور بے ساختگی ایک طاقت بن کر اُبھرتی ہے اور نسائی لب و لہجہ متاثر کرتا ہے۔'سفرِ زندگی کے لیے سوز وساز' اُن کا ایسا سفرنامہ ہے جن سے اُن کے مزاج ومعتقدات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

قدرت اللہ شہاب کے سفرناموں کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنھوں نے زمینی حالات و واقعات سے زیادہ باطنی کیفیات و احوال پر توجہ دی ہے، اِس لیے 'اے بنی اسرائیل' اور 'تو ابھی رہگذر میں ہے' میں وہ کسی ملک کی تاریخ وجغرافیہ یا تہذیب وتمدن سے تعلق کم رکھتے ہیں اور کہیں خود کلامی کے ذریعے اپنا مافی الضمیر ادا کرتے ہیں تو کہیں تجزیے وتبصرے سے کام چلا لیتے ہیں۔ممتاز احمد نے ایک سفرنامہ 'جہاں نُما' لکھا ہے جو تقسیمِ ہند کے بعد لکھے جانے والے سفرناموں میں امتیازی حیثیت کا مالک ہے۔ ...(بقیہ صفحہ 7 پر)

دلیپ سنگھ یاد آتے ہیں

ڈاکٹر رحمٰن اکولوی

کوئی ادیب اپنے اساتذہ سے رابطہ قائم کرنا چاہے تو اپنی مطبوعہ کتاب یا عید دیوالی کے موقعے پر گریٹنگ کارڈ اُن کی خدمت میں روانہ کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرم شاملِ حال رہا تو Responce ملے گا ورنہ ...میں نے اپنی کتاب 'ناٹ آؤٹ' (طنزیہ مزاحیہ مضامین اور انشائیوں کا مجموعہ) اپنے پسندیدہ طنز و مزاح نگار جناب دلیپ سنگھ کو روانہ کی۔ ان کا خط ملا اور انھوں نے مذکورہ کتاب سے متعلق تاثرات سے بھی نوازا۔ وہ رقم طراز ہیں: ''شیخ رحمٰن اکولوی کی مزاح نگاری کی جو خوبی فوراً متاثر کرتی ہے وہ ان کی انفرادیت ہے۔ انھوں نے اپنی راہ خود تلاش کی ہے۔ وہ جو کچھ لکھ رہے ہیں سراسر ان کا اپنا ہے۔ انھیں تو شاید نئی راہ تلاش کرنے میں دشواری ہوتی ہو لیکن ہم اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ اچھا ایک راستہ اور بھی ہے مسرّت کی منزل تک پہنچنے کا۔ شیخ رحمٰن اکولوی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ وہ اس کی تشکیل میں اُچھل کود سے کام نہیں لیتے۔ اپنی بات کو سیدھے سادے انداز میں اس طرح کہہ دیتے ہیں کہ مسکراہٹ قاری کے چہرے پر اپنے آپ پھیل جاتی ہے۔ شیخ رحمٰن کا مزاح کے میدان میں داخلہ ایک خوش آئند قدم ہے۔ قارئین کو ان کی حرکتوں پر نظر رکھنی چاہیے وہ یقیناً اپنے لیے مزاح میں ایک مقرر مقام بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔'' اس کے بعد ان سے رابطہ قائم ہوگیا اور خط و کتابت ہونے لگی۔

1989 میں عیدالفطر کے موقعے پر میں نے انھیں عید کارڈ روانہ کیا۔ یہاں اسے نقل کرنا نامناسب نہیں ہوگا:

> ''عیدالفطر کے پُر مسرت موقعے پر آپ شدّت سے یاد آرہے ہیں۔ آپ سے دوری کے احساس نے کسی قدر غم زدہ کردیا۔ غم غلط کرنے کے لیے آپ کے حصّے کا شیر خورمہ پی رہا ہوں اور سوئیاں کھا رہا ہوں۔ اللہ قادرِ مطلق اس کا اجر و ثواب آپ کو عطا کرے۔ آمین ثم آمین! اُمید کے مزاج عالی بخیر ہوں گے۔
>
> ہمیشہ کے لیے آپ کی دعاؤں کا طلب گار
>
> نیاز مند، شیخ رحمٰن اکولوی''

اس کے جواب میں ان کا تحریر کردہ خط مورخہ 17 مئی 1989 کو موصول ہوا۔

> برادرم رحمٰن!
>
> عید کی مبارک باد کے لیے شکریہ۔ ہم سب کی دعا ہے کہ یہ عید آپ کے لیے اور اہلِ خانہ کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں لے کر آئے۔ اس بات کا گلہ رہے گا کہ میرے حصّے کی سوئیاں بھی میرے حصے میں نہیں آئیں گی۔ لیکن کچھ کر نہیں سکتا۔ ہاں اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ میرا حصّہ غیر کو نہیں جا رہا ہے۔ عید کی ڈھیر ساری مبارک باد کے ساتھ...
>
> تمھارا دلیپ سنگھ

25 مئی 1989 کو میں ممبئی ہوتے ہوئے گوا کی سیر کے لیے نکلا اور کچھ دنوں بعد لوٹ آیا۔ میں نے گوا سے متعلق تفصیلی رپورتاژ بھی لکھا۔ انگریزی کے لفظ "Go" اور اُردو لفظ ''آ'' کی مناسبت سے اس رپورتاژ کو میں نے 'لوٹ کے آنے کے لیے جا' کا عنوان دیا۔ ممبئی کے ایک ادبی محفل میں مَیں نے یہ رپورتاژ پڑھا تو جناب ظ. انصاری نے 'عنوان' کی بطورِ خاص تعریف کی اور کہا ''گوآ'' سے اچھّا فائدہ اُٹھایا آپ نے۔ 2 جون کو جناب دلیپ سنگھ کا لکھا ہوا خط ملا۔ ''گوا اور ممبئی کا سفر آپ کو مبارک ہو۔ اس سال میری مالی حالت کچھ زیادہ ہی اچھی ہوگئی۔ اس لیے اپنی دونوں بچیوں کو ایک ماہ کے قیام کے لیے امریکہ بھیجا ہے۔ جاتے ہوئے کہہ گئی ہیں کہ ہماری غیر حاضری میں کہیں نکل نہ جانا گھر کا خیال رکھنا۔ سو ہم گھر کا خیال رکھ رہے ہیں۔''

دلیپ سنگھ زندہ دِل آدمی تھے۔ ہر ایک بات میں مزاح کا پہلو نکال لیتے۔ زندہ دِلانِ حیدرآباد کی سالانہ تقریب میں جانے لگے تو بیوی نے کہا ''حیدرآباد میں بریانی نہ کھائیں۔ آپ دل کے مریض ہیں۔ کوئی بریانی پیش کرے تو صاف انکار کردیں۔'' حیدرآباد سے واپسی پر بیوی نے پوچھا: ''حیدرآباد میں بریانی سے انکار کیا۔ انھوں نے کہا ''نہیں'' بیوی بولیں ''مَیں نے منع کیا تھا اور کہا تھا کہ انکار کردیں'' دلیپ سنگھ نے کہا ''ارے کوئی پیش کرتا تو انکار بھی کرتا۔''

دلیپ سنگھ نے کتاب 'انتخابِ فکر تونسوی' مرتب کی تھی جو لکھنؤ سے شائع ہونے والی تھی۔ اس کے لیے انھیں فکر تونسوی کی تصویر کی ضرورت تھی۔ مَیں نے تصویر روانہ کردی۔ اس ضمن میں ان کا خط ملا ''میں نے جب لکھنؤ 'انتخابِ فکر تونسوی' کا مسودہ بھیجا تھا وہ تصویر بھی بھجوادی تھی جو آپ نے عنایت کی تھی۔ مجھے علم نہیں، آیا وہ لوگ تصویر کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہ کی تو واپس منگوانے کی کوشش کروں گا۔ طے یہ ہے کہ کتاب 28 فروری کو ریلیز کی جائے۔ اس سلسلے میں لکھنؤ جاؤں گا اگر تب تک تصویر نہ ملی تو خود لے آؤں اور کیا ہو رہا ہے آج کل؟

خیر اندیش...دلیپ سنگھ

دلیپ سنگھ جب بھی میری کوئی تحریر دیکھتے اس کا تذکرہ ضرور کرتے۔ اپنے خط 8 ستمبر 1986 میں لکھتے ہیں: ''آپ کا انشائیہ 'ٹوپی' 'شگوفہ' میں پڑھا، اچھّا لگا۔ میرے پوچھنے پر اپنی علمی و ادبی سرگرمیوں کی اطلاع بھی دیتے۔ لکھتے ہیں۔ ڈراما 'تصویر کا دوسرا رخ' کتابی صورت میں شائع تو ضرور ہوا تھا لیکن کتاب اتنی بھدّی چھپی تھی کہ کتاب کسی کو دیتے ہوئے شرم آتی تھی۔ ایک بار دیکھ لینے کے بعد میں نے خود اِسے نہیں دیکھا۔ بہر حال کتاب الگ سے بھجوا رہا ہوں۔ یہ نہ کہنا کہ میں نے تمھیں خطرے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ ٹی وی کی مصروفیت اس طرح ہے کہ میرا سیریل 'دل دریا' 22 جون سے دِکھایا جائے گا۔ ایک سیریل صبح کے لیے لکھا ہے 'اپنی اپنی بنسی اپنا اپنا راگ' جو آج ہی بن کے آیا ہے۔ دوردرشن والے کچھ دِنوں میں طے کریں گے کہ کب دِکھانا ہے۔ میں جو لکھ رہا ہوں وہ سیریل ہیں: 'عجیب مصیبت ہے' اور دوسرا 'کیول'۔ اس کے علاوہ ٹیلی فلمیں ہیں۔

دُوردرشن والے آئیں بائیں شائیں کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بہت بولڈ ہے۔ جب تم دلّی آؤ گے تو اس کی ریکارڈنگ کی ہوئی چار قسطیں دِکھاؤں گا۔

قلم کا سفر اسی طرح جاری ہے۔ ایک کتاب لکھ رہا ہوں جو 'بیسویں صدی' میں قسط وار شائع ہوگی۔ ایک کتاب بچوں کے لیے شروع کی ہے جسے مکتبہ جامعہ شائع کرے گا۔ لیکن اس سے پہلے 'اُمنگ' میں قسط وار شائع کراؤں گا۔ مضامین تو اسی طرح لکھ رہا ہوں جیسے پہلے لکھ رہا تھا۔

پتا نہیں میری کتاب 'موم کی گڑیا' مل گئی یا نہیں۔ اس خط کے ساتھ اس کی ایک جلد بھیج رہا ہوں۔ یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ ہاتھ تمھارا ٹھیک کام کر رہا ہے۔ (میرا ایکسڈنٹ ہوا تھا اور آپریشن کے ذریعے دائیں ہاتھ میں دو راڈ ڈالے گئے تھے) اپنا خیال رکھنا۔

خیر خواہ...دلیپ سنگھ

دلیپ سنگھ بلند اخلاق و کردار کے مالک تھے نیز سماجی اقدار کا احترام بھی ان کے مزاج کا حصہ تھا۔ اپنے بچپن کا ایک واقعہ انھوں نے مجھے بتایا تھا جب میں نے ان کا انٹرویو کیا تھا: ''مَیں پاکستان کے ضلع گوجرانوالہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ جب دس سال کا تھا تو مجھے اپنے گاؤں سے قریب آٹھ میل دور شہر حافظ آباد میں پڑھنے کے لیے بھیج دیا گیا۔ وہاں میں ہوسٹل میں رہتا تھا۔ ایک دفعہ گاؤں میں حافظ آباد شہر کا ایک تانگہ آیا۔ اگلے دن جب وہ خالی جانے لگا تو میرے والد نے مجھے اس پر سوار کرا دیا۔ جب ہم تین میل دور پہنچے تو تانگے کا پہّیہ نرم زمین میں دھنس گیا۔ جب زور لگا کر گھوڑے نے تانگے کو نکالنے کی کوشش کی تو تانگے کا ساز ٹوٹ گیا۔ تانگے کو جوڑنے کے لیے اب ایک رسّے کی ضرورت تھی جو تانگے والے کے پاس نہیں تھا۔ وہ مدد کے لیے ساتھ والے گاؤں میں چلا گیا۔ جب تانگے والا زمیندار کے سامنے پیش ہوا تو مَیں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جب تانگے والے نے زمیندار کو میرے والد کا نام بتایا تو وہ بولا'' وہ تو میرا دوست ہے۔ تم دونوں آج میرے مہمان ہو۔ صبح تمھارے ساز کی مرمّت کروادیں گے۔ رات ہوئی تو زمین دار نے مجھ سے کہا ''چلو بیٹا تمھیں کھانا کھلوانے کے لیے وینکی گاؤں لے جاؤں تاکہ تیرا باپ یہ نہ کہے کہ مَیں نے اپنے گھر کا کھانا کھلا کر اس کے بیٹے کا دھرم بھرشٹ کردیا۔ وینکی تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا۔ زمیندار مسلمان تھا۔ مجھے آج اس چاچا کا نام تو یاد نہیں لیکن اس کی محبت میرے دل سے کبھی محو نہیں ہوسکتی کہ انہی لوگوں سے مَیں نے محبت اور اعلا قدروں کا درس لیا۔''

1996 میں جب دلیپ سنگھ کا انتقال ہوا تو لگا ایک نہایت مخلص و مشفق دوست ہمیشہ کے لیے بچھڑ گیا:

> جنھیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصؔر
> وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے

(ناصر کاظمی)

دیپک چوک، اکولہ-6 مہاراشٹر
Mobile No. 9371323967

اردو دُنیا

کسی کو سائن بورڈ میں اردو سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے: سپریم کورٹ

نئی دہلی (14اگست)۔ اردو ہندستانی آئین کے آٹھویں شیڈیول میں شامل زبانوں میں سے ایک ہے اور سائن بورڈ پر اردو لکھی ہونے سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے، خاص کر ان علاقوں میں جہاں اردو بولی جاتی ہے۔ سپریم کوٹ نے پاتور نگر پریشد کے اردو سائن بورڈ ہٹانے والی عرضی پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے مذکورہ تبصرہ کیا ساتھ ہی عرضی گزار سے یہ بھی کہا کہ آپ کو اردو سے کیا پریشانی ہے۔ اس سے قبل ممبئی ہائی کورٹ نے 10/اپریل کو کہا تھا کہ ریاست کی سرکاری زبان مراٹھی کے ساتھ ساتھ کسی بھی زبان میں نگر پریشد کے سائن بورڈ لگانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ عدالت نے اس عرضی کو خارج کر دیا تھا، ہائی کورٹ کے اسی فیصلے کو سپریم کورٹ میں چیلنج کیا گیا اور آج عدالتِ عظمیٰ نے مہاراشٹر حکومت سے اس پر اپنا موقف واضح کرنے کی ہدایت دی ہے، اس معاملے پر اگلی سماعت 9 ستمبر کو ہوگی۔

عدالتِ عظمیٰ نے مہاراشٹر کے پاتور نگر پریشد کے اردو سائن بورڈ کو ہٹانے کی درخواست کرنے والی عرضی پر ناراضگی ظاہر کی۔ عرضی گزار ورشا باگڑے نے عرضی داخل کر کے دلیل دی تھی کہ قانونی پہلوؤں کا مطلب یہ ہے کہ صرف مراٹھی ہی سرکاری زبان ہوگی اور کسی دوسری زبان کی اجازت نہیں ہوگی۔ اپنی عرضی میں انھوں نے اکولا ضلع مراٹھی زبان سمیتی کے صدر کو متعلقہ بورڈ ہٹانے کے لیے کارروائی کرنے کا حکم دینے کی درخواست کی۔ اپنی دلیل میں انھوں نے کہا کہ مہاراشٹر لوک اتھارٹی (سرکاری زبان) ایکٹ 2022، سول اتھارٹیز کے سائن بورڈ پر مراٹھی کے علاوہ دیگر زبانوں کے استعمال پر پابندی لگاتا ہے۔

اس معاملے پر سماعت سپریم کورٹ کے جسٹس سدھانشو دھولیہ اور جسٹس احسان الدین امان اللہ نے کی اور عرضی گزار کی سخت سرزنش کرتے ہوئے کہا کہ آپ کو اردو سے کیا دقّت ہے جب کہ اردو آئین کی آٹھویں شیڈیول میں شامل زبانوں میں سے ایک ہے اور کسی کو بھی سائن بورڈ میں اردو سے کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے، خاص کر ان علاقوں میں جہاں اردو بولی جانے والی زبانوں میں سے ایک ہے۔ عدالت نے مزید کہا کہ نگرنگم نے اسے پوری ریاست میں نافذ نہیں کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ ان علاقوں میں صرف وہی زبان سمجھی جاتی ہو۔

عدالت نے اس معاملے پر جواب داخل کرنے کے لیے مہاراشٹر حکومت کو ہدایت دی ہے، اب اگلی سماعت 9/ستمبر کو ہوگی۔ غور طلب ہے کہ سپریم کورٹ کا یہ حکم اردو دشمن عناصر کے لیے ایک نظیر بنے گا ساتھ ہی اردو کا دم بھرنے والے ان لوگوں کے منہ پر طمانچہ بھی ہے جنھوں نے سہاگ سلامت ہونے کے باوجود اردو کو بیوہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (انقلاب۔دہلی)

بہار اُردو اکادمی کی تشکیلِ نو کی کارروائی جلد ہوگی

زماں خان

پٹنہ (12/اگست)۔ ریاست کے وزیر اقلیتی فلاح جناب زماں خان نے کہا ہے کہ وزیر اعلا نتیش کمار کی قیادت میں حکومت اقلیتوں کی فلاح اور ترقی کے ساتھ ساتھ اردو زبان کے فروغ کے لیے بھی کوشاں ہے۔ سوچنا بھون میں پریس کانفرنس کے دوران میڈیا کے نمائندوں کی جانب سے برسوں سے بہار اردو اکادمی کی تشکیلِ نو التوا میں ہونے کے سوال پر وزیر اقلیتی فلاح زماں خان نے کہا کہ اس سلسلے میں کارروائی جلد کی جائے گی۔ اس موقع پر موجود محکمۂ اقلیتی فلاح کے سکریٹری محمد سہیل نے بتایا کہ بہار اردو اکادمی کے کام میں فی الحال رکاوٹ نہیں ہے۔ اردو اکادمی کی جانب سے میگزین کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اردو تربیتی پروگرام بھی چلائے جا رہے ہیں، غیر اردو دانوں کو اردو سکھانے کے لیے ضلع سطح پر پروگرام شروع کیے جائیں گے۔ تاہم انھوں نے یہ بھی واضح کیا کہ بہار اردو اکادمی کی تشکیل التوا میں ہے لیکن جتنا جلد ممکن ہو سکے گا اس کے لیے محکمہ اپنی سطح سے کارروائی کرے گا۔

(قومی تنظیم۔پٹنہ)

راجستھان اردو اکیڈمی کا بند ہونا انتہائی افسوسناک

ڈاکٹر سیّد احمد خاں

نئی دلی (13/اگست)۔ اردو ڈیولپمنٹ آرگنائیزیشن (یو ڈی او) نے راجستھان اردو اکیڈمی بند ہونے پر تشویش کا اظہار کیا ہے اور اس عمل کو انتہائی افسوسناک قرار دیا ہے۔ یو ڈی او کے قومی صدر ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے کہا کہ 1980 میں جنتا پارٹی کے دورِ اقتدار میں اس وقت کے وزیر اعلا آنجہانی بھیرو سنگھ شیخاوت نے راجستھان اردو اکیڈمی قائم کی تھی اور اس کی بہت شاندار کارکردگی بھی رہی اور ماہنامہ 'نخلستان' کی اشاعت بھی ہوئی تھی۔ مگر افسوس کہ صوبائی حکومت کی عدم توجہی کی وجہ سے راجستھان اردو اکیڈمی میں کئی برسوں سے آفس اسٹاف کا تقرر عمل میں نہیں آیا اور راجستھان کی ایک عظیم شخصیت سابق وزیر اعلا راجستھان اور سابق نائب صدر جمہوریۂ ہند بھیرو سنگھ شیخاوت کی یادگار راجستھان اردو اکیڈمی میں تالا بندی ہوگئی۔ اس کے علاوہ راجستھان یونیورسٹی کے شعبۂ اردو اور اس کے تحت آنے والے کالجوں میں بھی اردو اساتذہ کی شدید قلت ہے۔ اگر یہی حالات رہے تو کبھی بھی شعبۂ اردو میں تالا بندی ہو جائے گی۔ ڈاکٹر سیّد احمد خاں نے مزید کہا کہ اردو زبان نہ صرف گنگا جمنی تہذیب کی پاسبان ہے بلکہ بھارتیہ ثقافت و تمدن کی امین بھی ہے۔ اس لیے لازمی طور پر حکومتِ راجستھان ریاست میں اردو کے بجھتے ہوئے چراغوں کو روشن کرنے کی طرف فوری توجہ دے نیز راجستھان اردو اکیڈمی کی تشکیلِ نو کے ساتھ اس میں ضرورت بھر اسٹاف کا تقرر جلد از جلد کیا جائے۔

(انقلاب۔دہلی)

کلکٹر کریم نگر سے اردو ٹرینڈ ٹیچرس ایسوسی ایشن کے وفد کی نمائندگی

کریم نگر (2 اگست)۔ جناب سرور شاہ بیابانی کی سرپرستی میں تلنگانہ اسٹیٹ اردو ٹرینڈس ٹیچرس ایسوسی ایشن کے ذمہ داروں نے ضلع کلکٹر کریم نگر محترمہ پمیلا ستپتی سے ملاقات کر کے اردو اکیڈمی حیدرآباد کی جانب سے ریاست کے تمام اضلاع کے کلکٹرز کو 2024-25 تعلیمی سال کے آغاز سے ہی ایک سرکلر جاری کر کے اردو میڈیم اسکولوں میں ودیا والینٹرز کو تقرر کرنے کی سفارش کی گئی تھی، اسی ضمن میں کلکٹر کریم نگر سے نمائندگی کرتے ہوئے جلد از جلد طلبہ کے مستقبل کو سنوارنے کی گزارش کی گئی ہے۔ کلکٹر صاحبہ نے تمام باتوں اور مسائل کو سماعت فرماتے ہوئے کہا کہ محکمۂ تعلیم کے ساتھ اجلاس کرتے ہوئے اندرونِ ایک ہفتہ ودیا والینٹرز کی تقرری کی جائے گی۔ اس موقعے پر صدر ایسوسی ایشن حافظ سید مظہر الدین کے علاوہ معتمد ایسوسی ایشن حافظ عبدالمجید اشتیاق بھی موجود تھے۔

(سیاست۔حیدرآباد)

حکومتِ بہار اردو کے مسائل پر خصوصی توجہ دے

شمائل نبی

پٹنہ (8/اگست)۔ حکومتِ بہار کے سابق وزیر اور اردو کونسل ہند کے صدر شمائل نبی اور کونسل کے ناظمِ اعلا اسلم جاوداں نے ایک مشترکہ بیان جاری کرتے ہوئے کہا کہ حکومتِ بہار نائب اردو مترجموں کی جلد از جلد بحالی کے لیے اپنی سطح سے فوری اقدام کرے۔ انھوں نے اس بات پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کہا کہ امیدوار گذشتہ چار برسوں سے اپنی بحالی کے لیے مسلسل مطالبہ کر رہے ہیں۔ اخبارات میں بیانات دیتے آ رہے ہیں۔ آخر مجبور ہو کر گذشتہ دنوں انھوں نے زبردست مظاہرہ کیا، کمیشن کا گھیراؤ کیا اور نعرے لگائے۔ لیکن حیرت کا مقام یہ ہے کہ ان جمہوری طریقے سے مطالبات کی اب تک کوئی سنوائی نہیں ہو رہی ہے۔ چھ برسوں سے اردو مشاورتی کمیٹی اور بہار اردو اکیڈمی کی تشکیل نہیں کی گئی ہے۔ بہار جہاں کی دوسری سرکاری زبان اردو ہے، وہاں اردو کے ان دو بڑے اداروں کو چھے برسوں سے معطل کر کے رکھنا اور اردو کے فروغ و ترقی کی راہوں کو مسدود کر دینا کسی طور سے منصفانہ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کونسل کے ذمہ داروں نے اپنے بیان میں یہ بھی کہا ہے کہ محکمۂ تعلیم کے مکتوب نمبر 1055، مورخہ 15 مئی 2020 کے ذریعے اسکولوں میں اردو کی تعلیم کو بری طرح متاثر کر دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ برسہا برس سے اسکولوں میں اردو کے اساتذہ کی اسامیاں بڑی تعداد میں خالی ہیں جن پر بحالی نہیں ہو رہی ہے، جس کی وجہ سے اردو آبادی کے بچے اپنی مادری زبان کی تعلیم سے محروم ہو رہے ہیں۔ اگر اسکولوں میں بچے اردو نہیں پڑھیں گے تو کالج اور یونیورسٹی کے اردو شعبوں میں طلبہ و طالبات کہاں سے آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اردو کے شعبے خالی ہوتے جا رہے ہیں جو تشویشناک صورتِ حال کی غمازی کرتا ہے۔ بیان میں 12 ہزار اسپیشل ٹی ای ٹی اردو والوں کی بحالی نہیں کرنے پر بھی افسوس کا ظہار کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ حکومتِ بہار تو اردو کی حامی اور علمبردار ہے۔ پھر بھی طویل عرصے سے اردو کو نظر انداز کیا جانا اردو آبادی میں شدید بے چینی اور ناراضگی کا سبب بن رہا ہے۔ (قومی تنظیم۔پٹنہ)

اردو میڈیم طالبات کے مسائل پر فوری توجہ کا مطالبہ

طلبہ کے سرپرستوں کی نزل کلکٹریٹ کے عہدیداروں سے نمائندگی

بھینسہ، تلنگانہ (5اگست)۔ کستور با گاندھی بالیکا اسکول اردو میڈیم بھینسہ کے طلبہ کے سرپرستوں نے نزل ضلع کلکٹر دفتر پہنچ کر ضلعی عہدیداروں سے ملاقات کر کے بتایا کہ پہلے کستور با گاندھی بالیکا اسکول اردو میڈیم شہر کے قلب میں موجود تھا جہاں مسلم اراکینِ بلدیہ جن میں فیض اللہ خاں (فلور لیڈر بلدیہ) اور محمد عبدالماجد (نمائندہ کونسلر) کی جانب سے تمام تر سہولیات فراہم کی جاتی تھیں، تب طالبات کی تعداد تقریباً 140 سے زائد تھی لیکن اسکول کو شہر سے دور اے پی نگر میں منتقل کر دیا گیا جس کی وجہ سے طالبات کی تعداد گھٹ کر صرف 40 پر محدود ہوگئی ہے۔ غریب طالبات اپنی تعلیم کو ترک کرنے پر مجبور ہیں۔ طلبہ کے سرپرستوں نے بتایا کہ اس ضمن میں محمد جابر احمد (نائب صدر نشین بلدیہ) سے بھی ملاقات کر کے تمام حالات سے انھیں واقف کروایا گیا جس پر انھوں نے ضلع کلکٹر اور ضلع ایجوکیشن آفیسر سے نمائندگی کرتے ہوئے ہر ممکنہ کارروائی کا تیقن دیا۔ طلبہ کے سرپرستوں نے کہا کہ بھینسہ میں سوسائٹی کی ایک زبردست و عالی شان بلڈنگ موجود ہے جس کی نشان دہی بھی کی گئی، جس میں اردو میڈیم کستور با گاندھی اسکول کی طالبات کو منتقل کیا جا سکتا ہے۔ طلبہ کے سرپرستوں نے ضلع کلکٹر سے مطالبہ کیا کہ اس معاملے کی فوری توجہ کی جائے۔ اس ضمن میں طلبہ کے سرپرستوں نے ضلع کلکٹر دفتر کے عہدیداروں کو ایک یادداشت بھی پیش کی۔ (سیاست۔حیدرآباد)

انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ جھارکھنڈ کے وفد کی سی. پی.آئی (ایم.ایل) کے جنرل سکریٹری کامریڈ دیپانکر بھٹاچاریہ اور ایم.ایل.اے کامریڈ ونود سنگھ سے ملاقات

رانچی (پریس ریلیز، 22 جولائی)۔انجمن ترقی اردو (ہند) جھارکھنڈ کا ایک وفد اردو کے مختلف مسائل کو لے کر سی پی آئی (ایم ایل) کے جنرل سکریٹری کامریڈ دیپانکر بھٹاچاریہ اور ایم ایل اے کامریڈ ونود سنگھ سے ملا اور اردو کے تعلق سے 7 نکاتی میمورنڈم ان کے سپرد کیا۔ان سے کہا گیا کہ 24 سال کی طویل مدت کے بعد بھی جھارکھنڈ سرکار نے اردو کو اس کا جائز مقام نہیں دیا۔اردو اکادمی کی تشکیل سمیت پلس ٹو کے 512 سرکاری اسکولوں میں اردو یونٹ کی عدم فراہمی کے سبب اردو پڑھنے والے بچے/ بچیوں کو مادری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے بنیادی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے، اردو ڈائرکٹوریٹ کے قیام، جھارکھنڈ سرکار کے 16 اکتوبر 2007 کے نوٹی فکیشن پر عمل درآمد، جہاں اردو پڑھنے والے دس یا اس سے زائد بچے اور بچیاں ہوں، وہاں اردو یونٹ کا قیام یقینی بنایا جائے، سروے لسٹ سے اردو کا نام ہٹائے جانے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے اور اس آرڈر کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تاکہ اور مقامی زبانوں کی طرح اردو کا بھی سروے کرایا جاسکے۔

کامریڈ ونود سنگھ نے اس معاملے کو اسمبلی میں اٹھانے کا یقین دلایا اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ اردو اکادمی کے قیام اور پلس ٹو اسکولوں میں خالی یونٹوں پر تقرری کے لیے بھی میں لگاتار کوشش کر رہا ہوں۔کئی بار اسے اسمبلی میں اٹھا بھی چکا ہوں۔

کامریڈ دیپانکر بھٹاچاریہ نے بھی پارلیمنٹ میں اردو کے مسائل کو اٹھانے کا یقین دلایا اور کہا کہ اردو ہندستانی زبان ہے۔اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہم سب کی ہے۔وفد میں ایم زیڈ خان کے علاوہ نشاط خان، محمد شکیل احمد اور محمد محسن سعید شامل تھے۔

جھارکھنڈ مکتی مورچہ کے جنرل سکریٹری سپریو بھٹاچاریہ نے آج انجمن ترقی اردو (ہند) جھارکھنڈ کے وفد سے ملنے کا وقت دیا تھا۔بارش کے سبب انجمن ترقی اردو جھارکھنڈ کا دورکنی وفد سپریو بھٹاچاریہ سے ان کے دفتر میں مل کر میمورنڈم سپرد کیا۔انھوں نے میمورنڈم پڑھ کر وفد کو یقین دلایا کہ اس پر کام ہوگا، آپ لوگ مطمئن رہیں۔

محبّانِ اردو گلبرگہ کے زیرِ اہتمام ڈاکٹر غضنفر اقبال کی کتاب 'شہابِ معرفت' کا اجرا

گلبرگہ (26 اگست، ای میل)۔ ڈاکٹر غضنفر اقبال نے کتاب 'شہابِ معرفت' تحقیقی نقطۂ نظر، عرق ریزی اور سلیقے سے قلم بند کی ہے۔ اس خیال کا اظہار پروفیسر حمید سہروردی نے ڈاکٹر غضنفر اقبال کی 23 ویں تصنیف 'شہابِ معرفت: حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی' کی رسمِ اجرا انجام دینے کے بعد کیا۔تقریبِ رسمِ اجرا محبانِ اردو تنظیم برائے فروغِ اردو زبان وادب گلبرگہ کے زیرِ اہتمام 25 اگست 2024 کو منعقد کی گئی تھی۔ پروفیسر حمید سہروردی نے اپنی تقریر میں کہا کہ انھیں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے نسبت کے سبب اردو ادب میں عزت افزائی نصیب ہوئی۔انھوں نے کتاب 'شہابِ معرفت' کو صوفیانہ ادب میں اہم ترین اضافہ قرار دیا۔ انھوں نے کہا کہ حضرت شہاب الدین سہروردی دینِ اسلام کے شہابِ ثاقب تھے۔ ڈاکٹر پیرزادہ فہیم الدین (صدر، محبانِ اردو گلبرگہ) نے صدارتی تقریر میں کہا کہ کتاب 'شہابِ معرفت' کو غضنفر اقبال نے محنت، لگن و خلوص سے تحریر کیا ہے۔

تقریبِ اجرا کے مہمانِ عالی وقار مولانا محمد تنویر احمد اشرفی (صدر مدرس دارالعلوم دینیہ بندہ نوازیہ، گلبرگہ) نے کہا کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اللہ تعالیٰ کے ولی تھے، جن کا فیضان پوری دنیا میں تا قیامت جاری رہے گا۔ وہ علم اور روحانیت کے بحرِ کراں تھے۔انھوں نے کہا کہ غضنفر اقبال کی کتاب حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی حیات اور خدمات پر تحریر کردہ ایک دل نشین اور قابلِ مطالعہ تصنیف ہے جس میں مصنف نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے اوراقِ حیات کو خوب صورت انداز میں پیش کیا ہے۔مولانا تنویر احمد اشرفی نے کہا کہ کتاب کے مطالعے سے علم ہوا کہ حضرت سہروردی صاحب ایک سچّے بزرگ تھے اور اتباعِ سنتِ نبویؐ کے پابند تھے۔مولانا شاہ محمد فخر الدین مانیال (خطیب وامام مسجد بارگاہ حضرت شیخ دکن، گلبرگہ) نے تقریب میں بہ حیثیت مہمانِ خصوصی شرکت فرمائی۔اس موقعے پر تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ غضنفر اقبال نے عظیم صوفی بزرگ کے علمی کارناموں پر نہایت جامع اور کارآمد کتاب تصنیف کی ہے۔انھوں نے کہا کہ حضرت شیخ شہاب الدین کی حیات کا کوئی بھی پہلو اس کتاب میں تشنہ نہیں ہے۔ مولانا محمد فخر الدین مانیال نے کہا کہ غضنفر اقبال کا قلم عصرِ حاضر کی ضرورت کو پورا کرتا ہے ان کی کتاب روحانی ارتقا کی ضامن ہے۔مہمانانِ ذی وقار جناب منظور وقار، جناب واجد اختر صدیقی اور انجینئر خرم عماد سہروردی نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی علیہ الرحمہ پر گراں قدر کتاب لکھنے پر ڈاکٹر غضنفر اقبال کو مبارک باد پیش کی۔ڈاکٹر غضنفر اقبال نے اپنی تاثراتی تقریر میں تقریب کے مہمانان اور محبانِ اردو کے اربابِ مجاز سے اظہارِ تشکر کیا اور کتاب کے مشمولات پر روشنی ڈالی۔تقریب کا آغاز حاجی صادق کرمانی کی قرأتِ کلام پاک سے ہوا۔انجینئر محمد معین الدین سہروردی نے نعت شریف پیش کی۔ جناب خواجہ پاشاہ انعام دار نے مہمانان کا خیر مقدم کیا۔ نظامت کے فرائض انجینئر عارف مرزا نے انجام دیے۔ڈاکٹر انیس صدیقی نے افتتاحی تقریر فرمائی۔ ڈاکٹر شمس الدین چودھری کے اظہارِ تشکر پر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

اسسٹنٹ پروفیسر اردو کے عہدے کے لیے منتخب 71 امیدواروں کو مبارک باد

محنت اور لگن سے کی جانی والی کوششیں ثمر آور ہوتی ہیں: امتیاز احمد کریمی

پٹنہ (5 جولائی)۔ بہار اسٹیٹ یونیورسٹی سروس کمیشن، پٹنہ کے ذریعے اسسٹنٹ پروفیسر اردو کے عہدے کے لیے منتخب 71 امیدواروں کو بہار پبلک سروس کمیشن کے سابق چیئرمین نے دلی مبارک باد دی ہے اور اپنی نیک خواہشات کا اظہار کیا ہے۔انھوں نے کہا کہ نو منتخب اسسٹنٹ پروفیسر کی تقرری سے بہار کے تمام اضلاع میں اردو کی تعلیم کو فروغ حاصل ہوگا۔انھوں نے نو منتخب اسسٹنٹ پروفیسر حضرات سے توقع ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی ذمہ داری کو بہ خوبی نبھائیں گے اور پوری ریاست میں اردو زبان و ادب کے طلبہ و طالبات کو اپنی محنت اور صلاحیتوں سے فیضیاب کریں گے اور ان کی تشنگی بجھائیں گے۔ جناب کریمی نے کہا کہ حکومتِ بہار اردو زبان وادب کی تبلیغ وتشہیر کے لیے پوری طرح سنجیدہ اور فکر مند ہے۔حکومت ہمیشہ سے اردو کے فروغ کے لیے کام کرتی آئی ہے اور مستقبل میں بھی کرتی رہے گی۔ جناب کریمی نے نو منتخب امیدواروں کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ جنرل زمرے کے 33، معاشی طور پر کمزور طبقے سے 5، او بی سی زمرے سے 11، ای بی سی زمرے سے 17، ایس سی زمرے سے 1، اور ڈبلیو بی سی زمرے سے 4 امیدوار یعنی کل 71 امیدوار منتخب ہوئے ہیں۔ جناب کریمی نے جہاں نو منتخب امیدواروں کو مبارک باد دی وہیں کسی وجہ سے منتخب ہونے سے رہ گئے بقیہ امیدواروں سے کہا کہ وہ حوصلہ پست نہ کریں، ناامیدی اور مایوسی کفر ہے۔محنت اور کوششیں ہوں گی تو مستقبل میں آپ کی بھی باری آئے گی آپ بھی کامیابی کا پرچم بلند کرتے ہوئے اردو زبان وادب کی خدمت اور اردو تعلیم وتعلم کا کردار نبھائیں گے۔ (قومی تنظیم-پٹنہ)

رفتید ولے نہ از دلِ ما

عباس دانا

ممبئی۔ گجرات میں اُردو کے مشہور شاعر عباس دانا طویل علالت کے بعد 26 اگست 2024 کو اپنے وطن بڑودہ میں رحلت کر گئے۔ وہ 82 برس کے تھے۔ یہ اطلاع ہمیں ندیم صدیقی نے دی ہے۔

عباس دانا 7 جنوری 1942 کو بڑودہ میں پیدا ہوئے تھے۔سلیمانی بوہرہ فرقے سے تعلق رکھنے والے ان کے والد محمد شاکر ریلوے میں کنٹریکٹر تھے اور عباس دانا کا بھی یہی سلسلۂ روزگار تھا۔

عباس دانا خوش گو شاعر تھے اور انھیں اپنے وطن میں بھی خاصی مقبولیت حاصل تھی۔ان کا کلام کئی ممتاز گلوکاروں نے گایا ہے۔عباس دانا کے پانچ شعری مجموعے شائع ہوئے ہیں جن کے نام اس طرح ہیں: خوشبو، فانوس، تتلی کے پَر، موسم اور شیش محل۔

عباس دانا کی علمی وادبی خدمات کے اعتراف میں گجرات سرکار کا موقر ایوارڈ 'گورو پُرسکار' (Gauraw Puruskar) جو ایک لاکھ روپے پر مشتمل ہوتا ہے، عباس دانا کو دیا گیا تھا۔واضح رہے کہ ان سے پہلے یہ اعزاز مشہور جدید اردو شاعر محمد علوی، ممتاز ناقد وارث علوی کو دیا چکا ہے۔عباس دانا کو حجاز میں بھی جدہ کی ایک ادبی تنظیم نے کئی برس قبل اعزاز دیا تھا۔

عباس دانا کے کئی اشعار زبان زدِ خاص وعام ہیں۔کوئی چالیس برس قبل بڑودہ ہی کے ایک مشاعرے میں جب انھوں نے یہ شعر پڑھا تو پورا مشاعرہ گاہ داد وتحسین سے گونج رہا تھا:

خوشبو کو پھیلنے کا بہت شوق ہے مگر
ممکن نہیں ہواؤں سے رشتہ کیے بغیر

عباس دانا اپنے عہد میں بڑودہ ہی کے نہیں بلکہ گجرات بھر کے اردو شعرا میں ممتاز شخصیت کے حامل تھے۔

عبدالرشید اگوان

چتوڑ گڑھ۔ معروف مفکر، مصنف اور سماجی کارکن عبد الرشید اگوان کا 17 اگست 2024 کو ان کے آبائی وطن راجستھان میں انتقال ہوگیا۔نوجوانوں کو بااختیار بنانے، تعلیم اور سماجی اصلاحات کے لیے اپنی غیر متزلزل وابستگی کے لیے انھیں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔راجستھان میں پیدا ہوئے عبدالرشید اگوان نے طویل عرصے تک دہلی کو اپنا مسکن بنائے رکھا، انھوں نے اپنی پوری زندگی تعلیم، ماحولیاتی بیداری اور بین مذہبی ہم آہنگی کو فروغ دینے کے لیے وقف کردی تھی۔علمی ورثے کے طور پر انھوں نے ایک درجن سے زائد کتابیں، متعدد تحقیقی مقالے اور مضامین چھوڑے ہیں۔ان کا ناول 'شاکا' گذشتہ ہفتے ہی دہلی میں ریلیز ہوا، جو ایک طویل اور پُر اثر کیریئر میں ان کی آخری کامیابیوں میں سے ایک ہے۔عبدالرشید اگوان علمی اور سماجی شعبوں میں اثر ورسوخ کے متعدد عہدوں پر فائز رہے۔ وہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اینڈ ایڈوکیسی (IPSA) کے صدر رہے اور آل انڈیا ایجوکیشنل موومنٹ کے سکریٹری کے طور پر بھی خدمات انجام دیں۔نمازِ جنازہ اور تدفین اُن کے آبائی وطن، نمبر اہیڑا، چتوڑ گڑھ، راجستھان میں عمل میں آئی۔ واضح ہو کہ عبدالرشید اگوان حال ہی میں راجستھان میں ایک سڑک حادثے کا شکار ہوگئے تھے۔اسپتال میں زیرِ علاج تھے اور بالآخر جانبر نہ ہوسکے۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحومین کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : امروہہ کی مختصر ادبی تاریخ
مصنف : شاہ فہد نسیم
ضخامت : 512 صفحات
قیمت : 600 روپے
ناشر : عرشیہ پبلی کیشنز، دلشاد کالونی، دہلی-110095
تبصرہ نگار : ڈاکٹر ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

اُردو ادب میں امروہہ کا اپنا منفرد مقام و مرتبہ ہے۔ اس شہر میں اُردو و فارسی کے بڑے جید عالم و فاضل پیدا ہوئے۔ اس سرزمین میں میر سعادت جیسے شاعر بھی پیدا ہوئے جنھوں نے میر تقی میرؔ کو اُردو شعر کہنے کی ترغیب دی۔ اسی سرزمین میں میرؔ کے شاگرد عبدالرسول نثار نے قیام کیا جن سے مصحفی کی ملاقاتیں رہیں۔ ایک زمانے تک امروہہ مغلیہ سلطنت کے قلمرو میں تھا لیکن مغل حکومت کے زوال کے بعد امروہہ اودھ ریاست کے زیرِ نگیں کر دیا گیا۔ دراصل یہ علاقہ دہلی اور لکھنؤ کے درمیان آباد ہے جس کی وجہ سے اس پر دبستانِ دہلی اور دبستانِ لکھنؤ کے اثرات نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر شاہ فہد نسیم کے مطابق امروہہ میں سب سے پہلی نثری کتاب 'آئینۂ عباسی' مولفہ حکیم محبّ علی خاں عباسی کی ہے جو 1878 میں منظرِ عام پر آئی۔ آزادی کے بعد جن ادیبوں نے امروہہ کی ادبی روایت کو مزید مستحکم کیا ان میں رؤف امروہوی، ساقی امروہوی، نسیم امروہوی، جون ایلیا، کفیل آذر، زبیر رضوی، سیفی امروہوی، افسر امروہوی، پروفیسر خلیق احمد نظامی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، پروفیسر نور الحسن نقوی، محمد علی صدیقی، منظر عباس نقوی، پروفیسر سید محمد ہاشم اور جنید اکرم فاروقی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ڈاکٹر شاہ فہد نسیم کی زیرِ تبصرہ کتاب سے قبل دو کتابیں 'مدح باقی ہے' [حمد و نعت کا مجموعہ] اور 'تذکارِ غالب' منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

ڈاکٹر شاہ فہد نسیم نے زیرِ تبصرہ کتاب 'امروہہ کی مختصر ادبی تاریخ' (اُردو زبان و ادب کے حوالے سے) میں سرزمینِ امروہہ میں جنم لینے والے عالموں و ادیبوں کے کارہائے نمایاں پر سیر حاصل بحث کی۔ موصوف نے اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے باب میں امروہہ کا ادبی پس منظر کے تحت امروہہ کا تعارف، امروہہ کا مختصر ادبی پس منظر، فارسی شعرا، فارسی نثر نگار عنوان قائم کیے گئے ہیں۔ بابِ دوم امروہہ میں اُردو شعر گوئی کی روایت آغاز سے مصحفی تک میں امروہہ میں اُردو شعر گوئی مصحفی سے 1947 تک، 1947 سے تا حال (مرحوم شعرا)، امروہہ میں اُردو شاعری آزادی کے بعد سے تا حال عنوان قائم کیے گئے ہیں۔ بابِ سوم 'امروہہ کا شعری مزاج' میں غزل، مثنوی، مرثیہ، قصیدہ، نظم پر بحث کی گئی ہے۔ بابِ چہارم 'امروہہ میں اُردو نثر' کے تحت امروہہ میں اُردو نثر نگاری کا آغاز اور ارتقا کے علاوہ امروہہ میں تنقید و تحقیق، ناول افسانہ اور خاکے پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ڈاکٹر شاہ فہد نسیم نے اپنے پیش لفظ میں امروہہ کی ادبی و تاریخی حیثیت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا کہ یہاں ایک زمانے تک فارسی زبان کا غلبہ رہا لیکن 1836 کے بعد فارسی کے بجائے اُردو زبان کو فروغ حاصل ہوا۔ 'امروہہ کا تعارف' کے تحت موصوف لکھتے ہیں کہ امروہہ کی اصل 'امرونم' ہے جس کے معنی آموں کا بن تسلیم کیے گئے ہیں۔ آج بھی اس علاقے میں آموں کے باغات موجود ہیں۔ عوامی زبان میں 'امرونم' کو امروہہ کہا جانے لگا۔ پہلے امروہہ ضلع مراد آباد کی ایک تحصیل تھا لیکن 1997 میں اسے علاحدہ ضلع بنا دیا گیا۔

بعض تذکرہ نویسوں نے مصحفی کی وفات کے بعد ان کے استاد کا نام 'مانی' لکھا ہے۔ لیکن ڈاکٹر شاہ فہد نسیم نے اس بات پر حیرانی و افسوس کا اظہار کیا کہ خود مصحفی نے اپنے تذکروں میں اپنے استاد کا نام تحریر نہیں کیا۔ انھوں نے مصباح احمد صدیقی اور افسر صدیقی کی باتوں کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے غلط قرار دیا ہے۔ ان دونوں کا یہ ماننا ہے کہ مصحفی کے استاد کا نام 'مانی' ہے۔ دراصل یہ غلط فہمی مصحفی کے فارسی شعر:

ہر کسے مرتبۂ شاعریش فہمیدے
مصحفی ہم بکف خود قلم مانی را

میں موجود لفظ 'مانی' کی وجہ سے ہوئی۔ ڈاکٹر شاہ فہد نسیم نے مثالوں اور حوالوں سے اس کا تدارک کیا۔

ڈاکٹر شاہ فہد نسیم نے پروفیسر نثار احمد فاروقی کی ادبی خدمات کا جائزہ لیتے ہوئے لکھا کہ جب فاروقی صاحب نے میر کی خودنوشت 'ذکرِ میر' کا ترجمہ اُردو میں 'میر کی آپ بیتی' کے عنوان سے کیا تھا تو ان کی عمر محض 24 برس تھی۔ انھوں نے اس بارے میں یہ بھی اطلاع دی کی نثار صاحب نے اس کتاب کا ترجمہ محض 17 برس کی عمر سے شروع کیا تھا۔

امروہہ کو مرثیہ گوئی میں منفرد مقام عطا کرنے والے نسیم امروہوی کے بارے میں ڈاکٹر شاہ فہد نسیم رقم طراز ہیں کہ انھوں نے اپنے لب و لہجے کی وجہ سے مرثیوں میں ایک نئی جان پھونکی۔ ان کے یہاں اصلاحِ معاشرہ اور ملت کی ترقی کے رجحانات جا بجا نظر آتے ہیں۔ نسیم نے 97 بندوں پر مشتمل اپنا پہلا مرثیہ 1923 میں کہا۔

ڈاکٹر شاہ فہد نسیم نے امروہہ کی شعری کائنات کے حوالے سے بہت سی کارآمد باتیں تحریر کی ہیں۔ انھوں نے امروہہ کے شاعروں کے کلام کو بھی اپنی کتاب میں امثال کے طور پر شامل کیا ہے۔ یہاں پر ایک دو مثال ملاحظہ کیجیے:

دل تجھ سے جدا ہو کر زلفوں کے پڑا بس میں
اب کیوں نہ پریشاں ہو ہر ملکے و ہر رسمے
(زماں امروہوی)

ذرا ہم سے بھی ملتے جایئے گا
کبھی تو اس طرف بھی آیئے گا
(مصحفی)

رات ساری مجھے دونوں کی تسلی میں کٹی
ہاتھ دل پر سے اٹھایا تو جگر پر رکھا
(میر عارف علی عارف)

بہرکیف! ڈاکٹر شاہ فہد نسیم نے امروہہ کی اس مختصر ادبی تاریخ میں جو امروہہ کی سرکردہ ادبی شخصیتوں کے کارناموں کو قارئین کے سامنے پیش کر کے علاقائی تاریخ پر از سرِ نو غور و خوض کرنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ موصوف نے اس بات کا صدق دل سے اعتراف کیا ہے کہ اگر کسی ادیب کا نام اس ادبی تاریخ میں چھوٹ گیا ہے تو وہ اسے آئندہ اڈیشن میں جگہ دیں گے۔ ڈاکٹر شاہ فہد نسیم کے روحانی و معنوی استاد جنید اکرم فاروقی نے اس کتاب کی اشاعت پر انھیں مبارک باد پیش کرتے ہوئے لکھا کہ شاہ فہد نے امروہہ کی پرانی تاریخ کو نئی نسل سے روشناس کرانے کی سعیِ محمود کی ہے۔ اس کام میں انھوں نے امروہہ کے تمام مصادر سے استفادہ کیا ہے اور قدیم جواہرات کو چمکا کر نئی سلک میں پرویا ہے۔ اس موقعے پر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ موصوف نے امروہہ کی اس مختصر تاریخ میں سفر نامہ، رپورتاژ نگاری، ناولٹ نگاری اور سفرنامہ وغیرہ اصناف پر قلم نہیں اٹھایا ہے۔ کتاب پروفیسر وہاج الدین علوی کے نام معنون ہے۔ کتاب کا سرورق دیدہ زیب، کاغذ عمدہ اور طباعت نفیس ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ ڈاکٹر شاہ فہد نسیم کی یہ کتاب ادبی و علمی حلقوں میں خوب پذیرائی حاصل کرے گی۔ ◆◆

نام کتاب : مسکراتا کون ہے؟
انشائیہ نگار : محمد اسد اللہ
مرتب : توصیف احمد
ضخامت : 212 صفحات
قیمت : 170 روپے
ناشر : توصیف احمد، 30 گلستاں کالونی، جعفر نگر، ناگپور 440013
تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی
E-mail: sakhtar0075@gmail.com

'آدمی بذاتِ خود ایک چلتے پھرتے لطیفے میں ڈھل گیا ہو تو لوگوں کو ہنسانے کے لیے کاغذ قلم کو زحمت دینے کی کیا ضرورت؟ قرض داروں سے سہما ہوا، بیوی سے ڈرا ہوا، نونہالوں سے لدا ہوا شوہر ایک اَن کہا اور اَن سُنا لطیفہ ہی تو ہے'۔ محمد اسد اللہ لطیفے کم سناتے ہیں البتہ اپنی تحریروں میں ظرافت کے رنگ زیادہ بکھیرتے ہیں جس سے قاری دیر تک حظ اُٹھاتا رہتا ہے۔ یہ ہنر قدرت کا ودیعت کردہ ہے جو خال خال ہی کسی کے حصے میں آتا ہے۔ ان کی شگفتہ نگارشات میں متنوع رنگ ہوتے ہیں اور اداس چہروں پہ تبسم کی لکیر کھینچنے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ وہ 'بوڑھے کے رول میں' صنفِ انشائیہ میں جلوہ گر ہوئے، طنز و مزاح اور انشائیہ نگاری کے 'ڈبل رول' میں انھیں سراہا گیا، انھوں نے اس صنف میں موضوعات کے اتنے 'پرپُرزے' نکالے کہ ناقدین کے رُخ پہ 'ہوائیاں اُڑنے لگیں'۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی وہ چین سے نہیں بیٹھے۔ صنفِ ہذا پہ تنقید و تحقیق کی، درسی کتب سے مزاحیہ مضامین کا انتخاب کیا، مراٹھی مزاحیہ ادب کے تراجم اور ودربھ کی منتخب نگارشات پیش کرنے کے شانہ بہ شانہ ادبِ اطفال کے میدان میں بھی سرگرم رہے۔ گویا کہ تدریسی مصروفیات سے نجات پا کر بھی وہ قاری کو سبق پڑھانے میں سرگرم رہے۔

وزیر آغا اور انور سدید کے جانشین انشائیہ نگاری کا حق ادا کرتے ہوئے انھوں نے بخوبی اپنی ذمہ داری نبھائی۔ محمد اسد اللہ کے فرزندِ ارجمند توصیف احمد اگرچہ انشائیہ نگار نہیں ہیں لیکن اس کی اہمیت و افادیت سے واقف ہیں، اسی لیے والد کی تحریروں میں تعطل آنے پر انھوں نے ایک جامع انتخاب 'مسکراتا کون ہے؟' کے نام سے فوری پیش کر ڈالا۔ 33 تنوع رنگ موضوعاتی تحریریں (بخار، نوٹ، ٹوپی، گاؤں، خر، پنگھٹ، کان، مہمان، شادی، قرض، ڈاکٹر، تعریف، چمچہ، خیریت، عید کی شاپنگ، دانت، جلدی، چھٹی، جوتے، پاکٹ، سوتن وغیرہ) جو دو اور تین درجن کے درمیان ہیں خوب سے بڑھ کر بہت خوب اور خوب ترین ہیں۔ مصروفیت سے پُر اور بھاگ دوڑ بھری زندگی میں ایسی ہی تحریروں کی ضرورت ہے جو چند لمحے کو ہی سہی سکون بخش اور خواب آور گولی کا کام دیتی ہیں۔ دورانِ مطالعہ ان کا پوسٹ مارٹم کیا تو ہنستے مسکراتے اچھلتے کودتے کتنے ہی فقرے مطالعے کی اسکرین پہ دھما چوکڑی کرنے لگے۔ لیجیے ان سے لطف اُٹھایئے:

- 'بخار آئے اور ٹلنے کا نام نہ لے تو اُس کی حیثیت اُس محبوبہ سی ہے جو بیوی بن کر سر درد میں ڈھل جائے۔ اتفاق یہ کہ سر درد بخار سے قریب تر ہے اور بیوی ایک مستقل بیماری ہے۔' (بخار۔ص 42)
- 'ہماری سرکار قومی یک جہتی کے لیے نوٹ کی پشت پر چودہ زبانیں لکھ مارتی ہے۔ نوٹ کی شدید ضرورت پہلے ہی عوام کے چودہ طبق روشن کر چکی ہوتی ہے اس لیے کوئی اس کے مطالعے میں سر نہیں کھپاتا۔ یوں بھی آج کل خرید کر پڑھنے کا رواج کم ہے۔' (نوٹ۔ص 46)
- 'سر چڑھی تمام چیزوں کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بولتی ضرور ہیں، خواہ وہ بیوی ہو، لیڈر ہو یا ٹوپی۔ ہمارے یہاں ٹوپی کی باضابطہ تعریف نہیں ملتی۔ اس کی تعریف کا مرحلہ آتے

ہی وہ کرشمہ رونما ہوتا ہے کہ ٹوپی اپنی جگہ رہ جاتی ہے اورٹوپی پہننے والے کی تعریف شروع ہوجاتی ہے۔' (ٹوپی،ص50)

- 'گاؤں کے راستے عام طور پر سیدھے سادے اور لا ابالی ہوا کرتے ہیں۔ یہ خودرَو اور اپنائیت ومحبت سے لبریز ہوتے ہیں۔ پتہ نہیں یہ صفات گاؤں والوں نے ان راستوں پر چل کراخذ کی ہیں یا ان کے تلووں سے نتھر کر راستوں میں درآئیں۔اس کے برعکس تارکول کی سڑکوں پر میلوں چل کر اتر جایئے یوں محسوس ہوگا گویا بھیڑ بھرے راستے میں کوئی مصافحہ کرکے بھول گیا۔ تارکول کی سڑکیں اب شہر سے نکل کرگاؤں کا رخ کرنے لگی ہیں۔گاؤں کے کچے راستے کا مستقبل خطرہ میں ہے۔' (گاؤں کے راستے۔'ص59)
- 'بعض لوگ قرض سے پناہ مانگتے ہیں اور جنھیں یہ نعمت حاصل ہو جائے وہ قرض مانگنے والوں سے نجات کی دعا کرتے ہیں۔ (قرض کی شان میں۔'ص100)

سطورِآخر کے طور پر ایک تلخ حقیقت کی جانب اشارہ جس سے چشم پوشی خطرناک ہی نہیں، ہماری شناخت اور وقار کے لیے کلنک ثابت ہوگی:

- 'آج اردو میں لکھنے والوں کو عام طور پر معاوضہ نہیں ملتا،کل اردو پڑھوانے کے لیے معاوضہ دینا پڑے گا۔ یہ زبان شاید اسی لیے زندہ ہے کہ اس کے لیے جاں سپاری کا جذبہ اردو والوں کے دلوں میں اب بھی موجود ہے،البتہ ان دنوں اردو کی سپاری لینے کی وارداتوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔'

(اردو کی سپاری،ص175-172)

بقیہ: اُردوسفرناموں کا تنقیدی جائزہ

(بقیہ صفحہ 2 سے آگے)

مستنصر حسین تارڑ اُردو سفرنامے کا اہم نام ہیں، اُنھوں نے کئی سفرنامے لکھے جن میں 'اُندلس میں اجنبی'، 'خانہ بدوش' اور 'ہنزہ داستان' جیسے لاجواب سفرنامے شامل ہیں۔

اُردو سفرناموں میں مشاہدے اور تجزیے کے ساتھ ساتھ مزاحیہ عناصر بھی جابجا ملتے ہیں۔ وزیرآغا کا خیال ہے کہ سفرناموں کا اہم عنصر قوتِ مشاہدہ ہے لیکن کبھی کبھی سفرناموں میں مزاح سے اُس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔انور سدید کے بقول سفرنامے میں بیساختہ طنز کا اہم حصّہ ہوتا ہے اور افضل علوی نے اپنے سفرنامہ 'دیکھ لیا ایران' میں اِس کا برملا استعمال کیا ہے۔ جب کہ وزیرآغا نے تو اپنا سفرنامہ 'ایک طویل ملاقات' کو طنز ومزاح کے پیرایے میں ہی تحریر کیا ہے۔ اِسی طرح ابنِ انشا کے سفرناموں میں طنز ومزاح کا ایسا بھرپور استعمال ہوا ہے کہ قاری ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوجاتا ہے، اُن کا ایک جملہ پڑھیے جو 'ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں' میں استعمال ہوا ہے اور داد دیجیے:

> ''مکہ گئے، مدینہ گئے، کربلا گئے تھے ویسے ہی ہیر پھیر کے آگئے۔''

اِن کے علاوہ کرنل محمد خاں کا ذکر اِس بارے میں گزر چکا ہے، لیکن صدیق ملک، مجتبیٰ حسین، مستنصر حسین تارڑ اور وحید قریشی نے بھی اپنے سفرناموں میں طنز ومزاح کی پھلجھڑیاں چھوڑی ہیں۔

اُردو سفرناموں کا ایک اور پہلو اُن کے ذریعے عالمی امن اور انسان دوستی کا پیغام ہے، سفرنامے لکھنے والوں نے اِس پر بھی توجہ دی ہے، کشمیری لال ذاکر اپنے سفرنامہ 'یہ صبح زندہ رہے گی' میں لکھتے ہیں:

> ''گولی کی آواز ہمیشہ مرجاتی ہے، صرف ایک ہی آواز کو ابدیت حاصل ہوتی ہے اور وہ ہے امن کی آواز، اِس کا خالق وہی شخص ہوتا ہے جو الفاظ کو جوڑ جوڑ کر دھیرے دھیرے اپنی بات کہتا ہے، چیختا ہے مگر دھاڑتا نہیں۔''

سفرنامہ نگاروں میں ابنِ انشا کا نام سرِفہرست ہے، وہ مزاح نگار بھی ہیں، طنز ومزاح کے مخصوص پیرایے میں سفرناموں کے ذریعے انسان دوستی، رواداری، خیرسگالی اور عدمِ تشدد کا سبق دیتے ہیں۔ 'نگری نگری پھرا مسافر' میں اِس کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

> ''کبھی سفر کا ایک لطف یہ بھی تھا کہ نور کے تڑکے کسی نئے شہر کے دروازے پر پہنچ اور وہاں کا بادشاہ لاولد مرا تو لوگ پکڑ کر سر پر تاج بھی رکھ دیا کرتے تھے...اب تو شہر کا دروازہ کھولنے سے پہلے ویزا دیکھتے ہیں، ہیلتھ سرٹیفکٹ پوچھتے ہیں، مسافر کا بُقچہ کھولتے ہیں کہ پیش کر غافل کوئی عمل اگر دفتر میں ہے''۔

مذہب کے نام پر دنیا قتل وغارت گری کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، اُس پر مجتبیٰ حسین بطور طنز اپنے سفرنامے ''جاپان چلو، جاپان چلو'' میں رقم طراز ہیں:

> ''ہم نے اُن سے پوچھا کہ آپ کا مذہب کیا ہے، بولے عیسائی ہوں، اُن کی بیوی کے مذہب کے بارے میں پوچھا تو اپنی بیوی کو باورچی خانے سے طلب کرکے پوچھا 'تمھارا مذہب کیا ہے'، ہماری جستجو اور بے تکے سوالات کے باعث مسٹر ایماموراکو پہلی بار پتا چلا کہ اُن کی اہلیہ محترمہ کا مذہب کیا ہے، اگر ہم اُن کے گھر نہ جاتے تو اپنی گھریلو زندگی کے بارے میں اُن کی معلومات ناقص رہتی...وہاں ایک نوجوان لڑکی بیٹھی ہوئی تھی اُن کا مذہب پوچھا تو اپنی بائیں آنکھ کی پُتلی کو نیچے کیا اور دائیں آنکھ کی پُتلی کو اوپر لے جاکر سوچنا شروع کیا... بولی عجیب سوال ہے، میں نے ابھی اِس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ جب مذہب کی ضرورت ہوگی تب سوچا جائے گا۔''

مجتبیٰ حسین کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کیسے ایک ہی چھت کے نیچے رہنے بسنے والے مذہب کے سوال پر بیگانے رہ کر خیرسگالی کے ماحول میں زندگی گزار رہے ہیں، اُن کی ترقی وخوشحالی کا راز شاید اِسی میں پوشیدہ ہے۔

سفرناموں میں انسان دوستی وخیرسگالی کی ایک اور مثال رفعت سروش کے سفرنامہ پاکستان کی روداد میں نظر آتی ہے، وہ رقم طراز ہیں:

> ''میرے کرم فرماؤں نے مجھے محبت وخلوص کے آبِ حیات میں نہلا دیا، کوئی صبح ایسی نہ تھی جو احباب کی محبت کی خوشبو کے بغیر طلوع ہوئی ہو اور کوئی شام ایسی نہ تھی جب قدردانوں کے خلوص نے میرے گلے میں بانہیں نہ ڈالی ہوں۔''
>
> ('یادوں کے چاند ستارے' رفعت سروش)

انسان دوستی، عالمی امن، بھائی چارہ اور اتحاد کے تعلق سے مذکورہ مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ محبت ورواداری کی ترجمان اُردو نے اپنے سفرناموں کے وسیلے سے بھی انسان دوستی کا پیغام دیا ہے۔

ڈاکٹر مرضیہ عارف
مکان نمبر 4، اسٹریٹ نمبر 1، ریت گھاٹ روڈ، بھوپال-462001
Mob. 6267843376

اُردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر
رؤف پاریکھ
قیمت: 300 روپے

انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

اردو املا اور حروفِ تہجی: لسانیاتی تناظر	رؤف پاریکھ	300/-
رموزِ اوقاف: کب، کہاں اور کیوں؟	ڈاکٹر شمس بدایونی	300/-
غروبِ شہر کا وقت	اُسامہ صدیق	900/-
کچھ اُداس نظمیں	ہربنس مکھیا	300/-
میانِ من وتو (تحقیقی وتنقیدی مضامین)	پروفیسر شاہد کمال	500/-
میرا جنون اردو (خطبات ومضامین)	طاہر محمود	700/-
میر کی خودنوشت سوانح (نثار احمد فاروقی)	صدف فاطمہ	400/-
کلّیاتِ خطباتِ شبلی	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	400/-
آزادی کے بعد کی غزل کا تنقیدی مطالعہ	ڈاکٹر بشیر بدر	500/-
اداریے (مشفق خواجہ)	محمد صابر	500/-
انور عظیم کی ادبی کائنات	فیضان الحق	700/-
بچوں کا گلدستہ (پانچ جلدیں)	غلام حیدر	2400/-
تحقیق وتوازن	ڈاکٹر نریش	250/-
تحقیقی مباحث	رؤف پاریکھ	300/-
چند فکری وتاریخی عنوانات	پروفیسر حکیم سیّد ظل الرحمٰن	400/-
ریت سمادھی (گیتا نجلی شری)	ترجمہ: آفتاب احمد	900/-
حکمِ سفر دیا تھا کیوں	شانتی ویرکول	200/-
عہدِ وسطیٰ کی ہندستانی تاریخ کے چند اہم پہلو	اقتدار عالم خاں	350/-
قدرت کا بدلا (موسم کا بدلاؤ)	سیّد ضیاء حیدر	600/-
کتابیاتِ حالی	ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	300/-
یہ تو عشق کا ہے معاملہ	ڈاکٹر ہلال فرید	300/-
جب دیوں کے سر اُٹھے	ڈاکٹر ہلال فرید	360/-
سیر المنازل (مرزا سنگین بیگ)	شریف حسین قاسمی	600/-
محرابِ تمنا	فطرت انصاری	200/-
مکتوباتِ مولوی عبدالحق بنام مشاہیر...	میر حسین علی امام، یاسمین سلطانہ فاروقی	700/-
لفظ (کلیاتِ زہرا نگاہ)	زہرا نگاہ	500/-
In This Live Desolation (Autobiography of Akhtarul Iman)	ترجمہ: بیدار بخت	500/-
سخنِ افتخار (کلیاتِ افتخار عارف)	افتخار عارف	1500/-
گواہی (شاعری)	گوہر رضا	500/-
میری زمین کی دھوپ (ہندی)	ونود کمار ترپاٹھی بشر	400/-
کھُلا دروازہ	ڈاکٹر نریش	250/-
ٹیپو سلطان کا خواب (گریش کرناڈ)	محبوب الرحمان فاروقی	300/-
اپنی دنیا آپ پیدا کر	غلام حیدر	900/-
وقائعِ بابر	ظہیرالدین محمد بابر	1000/-
In This Poem Explanateions of Many Modern Urdu Poem (میراجی)	بیدار بخت	600/-
میری زمین کی دھوپ	ونود کمار ترپاٹھی بشر	600/-
اُردو شاعرات اور نسائی شعور	ڈاکٹر فاطمہ حسن	330/-
مجھے اک بات کہنی ہے	شاہد کمال	400/-
انتخابِ غالب	امتیاز علی عرشی	600/-
باغِ گلِ سرخ	افتخار عارف	300/-
رفتگاں کا سراغ	سرور الہدیٰ	450/-
کلّیاتِ مصطفیٰ زیدی	سرور الہدیٰ	900/-
اے زمینِ وطن اور دیگر مضامین	ڈاکٹر نریش	225/-
ارمغانِ علی گڑھ	پروفیسر خلیق احمد نظامی	400/-
تاریخ وآثارِ دہلی	معین الدین عقیل	100/-
مجموعۂ سلام مچھلی شہری	بیدار بخت	700/-
کستوری کُنڈل بسے	ڈاکٹر نریش	250/-
اپنی لاڈلی ڈینش بچّی کے نام گاندھی جی کے محبت نامے	نصر ملک	250/-
سرمایۂ کلام	منیب الرحمان	500/-

تجریدی افسانے کی تفہیم و تدریس

مسائل و طریقۂ کار

پروفیسر حمید سہروردی

تدریس ایک مقدس پیشہ ہے، ایک پیچیدہ عمل ہے۔ تدریس استاد سے خلاقیت، ریاضت اور اکتساب کا مطالعہ کرتی ہے۔ اس لیے استاد کو درس دینے سے پہلے افسانے یا فن پارے کا مطالعہ کرکے مطلب ومفہوم کو اخذ کرنا پڑتا ہے تاکہ وہ طلبہ پر مطلب ومفہوم واضح کرسکے۔ اس طرح وہ ترسیل کے عمل کو آسان بنا سکتا ہے اور فن پارے کی افہام و تفہیم میں آسانی پیدا کرسکتا ہے۔ فن پارے کا مطالعہ کرتے ہوئے اُستاد اپنے ذہنی تعصّبات کو پرے رکھے۔ اپنی یادداشت کو قوی بنائے اور خیال یا موضوع کے امکانات پر پوری طرح غور کرے۔ جب وہ اپنے اندر اعتماد بحال کرلے تو طلبہ کو درس دینے میں کامیاب ہوگا۔ تدریس کا عمل تخلیقی بھی ہوتا ہے اور اکتسابی بھی۔ استاد کا یہ فرض ہوتا ہے کہ جب وہ کسی فن پارے پر گفتگو کرے تو واضح اور روشن ہو، نہ کہ پیچیدہ۔ اس طرح سے وہ موضوع یا تھیم، فن اور تکنیک میں ادراک اور بصیرت پیدا کرسکتا ہے۔

ہم جب تجریدی افسانے کا ذکر کرتے ہیں تو خود بخود ہمارے ذہن میں جدید افسانہ کا خیال آتا ہے کیوں کہ تجریدی افسانہ، جدید افسانے کی ہی پہچان رکھتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ افسانہ ایک آزاد صنفِ ادب ہے۔ آزاد صنفِ ادب سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ وہ مختلف انداز میں لکھا جاتا رہا ہے۔ بیانیہ انداز میں، مکالماتی انداز میں، خطوط اور ڈائری کی صورت میں بھی لکھا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی طلبہ کو بتا دینا ہوگا کہ شروع میں افسانہ ابتدا، وسط اور اختتام کے مرحلوں سے گزرتا رہا ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی پلاٹ، کردار، ماحول، زماں ومکاں پر بھی غور کیا گیا ہے اور اب بھی ان اجزا کا خیال رکھا جاتا ہے۔ تجریدی افسانہ کیا ہے؟ تجریدی افسانہ، روایتی افسانہ سے مختلف ہے۔

1960 کے بعد اردو افسانے میں نئے رجحانات کے تحت نئی فکر اور احساس کا اظہار کیا جانے لگا۔ ان افسانوں میں روایتی افسانوی فن سے انحراف کیا گیا۔ تجریدی افسانوں میں مروّجہ پلاٹ، کردار وحدت معدوم ہوگیا اور فنی تجربے پر توجہ دی جانے لگی۔ یہ افسانے حقیقت سے ماورائے حقیقت کا تصور پیش کرتے ہیں اور زماں و مکاں کا حقیقی یا علاقائی تصور، ماورائی تصور میں بدل گیا اور ان میں انسان کا مابعدالطبعیاتی تصور پیش کیا جانے لگا اور جذبہ واحساس کی شدت کے بجائے فکری سطح نمایاں ہونے لگی اور افسانہ نگار سماج سے فرد کی بجائے، فرد سے سماج کی طرف دیکھنے لگا۔

تجریدی افسانے میں علامت کا استعمال کیا جانے لگا اور طویل بیانی اور غیر ضروری منظر نگاری اور اشیا سے پرے ہوکر دیکھا جانے لگا اور شعری لوازم کے بے محابہ استعمال نے اسے شعر کے قریب کردیا۔

تجریدی افسانہ ہمارے افسانے کے اس سفر کی نشاندہی کرتا ہے جس کا رخ خارج سے داخل کی طرف ہے۔ یہ انسان کے ذہنی مسائل، اس کے کرب اور حقیقت کے عرفان کی تلاش کا اظہار ہے۔ صرف فکر یا ذہنی سوچ کی سطح پر افسانہ علامتی ہو یا تجریدی، اس میں لغوی معنی صرف ایک طرح کا اشارہ کردیتے ہیں۔ باقی کام پڑھنے والے کی ذہنی استعداد کا ہے۔ دراصل لفظوں کے ظاہری، منطقی اور لغوی معنی کے علاوہ اور معنی بھی ہوسکتے ہیں۔ ایسے افسانوں کا مطالعہ کرتے وقت اگر یہ بات نظر میں رہے تو ان سے لطف اندوز ہونا چنداں مشکل نہیں۔

دراصل تجریدی افسانہ قاری کو اپنی تخلیق میں شامل کرنا چاہتا ہے۔ قاری کو فن پارے کی تخلیق کی قرات تک ہی نہیں محدود رکھتا بلکہ اُسے افسانے میں بے ربط خیالات، غیر مربوط بیانیہ، کردار کے نام کے بجائے ضمیر کا استعمال کرکے قاری کو تخلیقی آگاہی کے لیے مساوی شریکِ کار سمجھتا ہے۔

افسانوی فن اپنے اندر بے پناہ وسعت رکھتا ہے۔ پریم چند، ترقی پسند افسانے ہوں کہ تجریدی افسانے روایت کا ہی ایک تسلسل ہیں جو تجریدی افسانے علامتی بیانیہ کے طور پر لکھے گئے ہیں، ان میں ایک خواب ناک فضا پیدا کی جاتی رہی ہے اور کردار ہیولے کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں اور اس کا زماں ومکاں کا تصور حقیقی سے ماورائی ہوتا رہا ہے۔ ان تمام اجزائے افسانوی کے ساتھ افسانہ تخلیق ہوتا رہا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ تجریدی افسانہ تخلیقی حسیت کا مطالبہ ہر قاری سے کرتا ہے اور کردار، واقعہ، ماحول اور منظر وپس منظر سبھی تجریدی ہوتے ہیں اور بیانیہ میں غیر ربطی ایک طرح کی الجھن پیدا کرتی ہے مگر تجریدی افسانہ اپنی اصل سے دور نہیں ہے۔ یہ بھی افسانہ تخلیق کرنے کا انداز رہا ہے۔ راقمِ تحریر نے سطورِ بالا میں افسانہ کو آزاد صنفِ ادب کہا ہے تو وہ کسی ایک صورت یا ایک ہیئت میں تخلیق نہیں ہوا بلکہ اس میں ہیئتی تجربے ہوتے رہے ہیں۔ اب استاد کو ان معلومات کو واضح کرانے کے بعد افسانے کی ترسیل کے لیے علامت، پیکر، تمثیل اور استعارہ کی وضاحت اور صراحت کرنا ہوگی، جب کہیں استاد کی ذمہ داری پوری ہوگی۔ تجریدی افسانے میں ہندسی، ریاضی، دائرے، قوس، جدول اور سائنسی فارمولے کا بھی استعمال کیا گیا ہے انھیں بھی استاد کو سمجھانا ہوگا جب کہیں تجریدی افسانے کی افہام وتفہیم ہوگی۔ ہمارے سامنے سریندر پرکاش، انور سجاد، مین را، نیّر مسعود، مظہرالزماں خاں، اکرام باگ اور اختر یوسف وغیرہ کے افسانوں کی تفہیم و ترسیل ہوسکتی ہے۔ وہ افسانے جن میں افسانہ نگار نے جیومیٹری کے اشکال، ہندسے، دائرے، قوس اور جدول کا استعمال کیا ہے، انھیں بھی علم کے ذریعے ہی تفہیم وترسیل کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ تجریدی افسانے کو تفہیم وترسیل کے لیے ان علوم سے واقفیت بھی ضروری ہے، یقیناً ضروری ہے۔ تخلیق بنیادی طور پر لفظ اور تخیل کے بہترین امتزاج کا عمل ہے۔ ابہام کو واضح کرنے سے جہاں ایک طرح کی مسرت حاصل ہوتی ہے وہیں ایک نئی فکر واضح ہوتی ہے۔ تجریدی افسانے کے بارے میں ہمارے تعصّبات زیادہ ہیں جب کہ تجریدی افسانہ نثر میں طاقتور تخلیقی اظہار ہے۔ ترسیل کی مختلف سطحیں ہوسکتی ہیں اور فن پارے کی مختلف تاویلیں اور مختلف جہتیں بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ کسی فن کا کمال بھی ہے اور یہ سوچ کا ایک عمل بھی۔

اگرچہ تجریدی افسانے میں واقعہ، کردار اور ماحول موجود ہیں، ان کی صورتیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ تسلسل نہ ہو، مگر واقعے کا احساس موجود ہے۔ کردار، گوشت پوست کے نہ ہوں، مگر کردار ہیولے کی صورت محسوس ہورہے ہیں۔ ماحول دھندلا ہو، منظر خواب ناک ہوسکتے ہیں۔ اس سے افسانے کا وجود معدوم نہیں ہوتا بلکہ افسانہ موجود ہے جو اپنی تمام روایت کے ساتھ خلاقیت، ریاضت اور اکتساب کا مطالبہ کرتا ہے۔ استاد کو ان پر پوری توجہ دینی ہوگی۔

تجریدی افسانے ہندسی، ریاضیاتی، جیومیٹریکل اور آڑی ترچھی لکیروں، سائنسی ڈائی گرام اور فارمولوں، قوسوں کا استعمال اور جدول کے ذریعے بھی تخلیق کیے گئے ہیں، انھیں افسانے کے سیاق وسباق میں سمجھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ یہ افسانے ہیئتی تجربے کی حد تک ہی محدود ہیں یا واقعی تخلیقی حسن کی نمائندگی کرسکتے ہیں، اس سوال کا حل پیش کرنا ہوگا۔ ان افسانوں کی افہام وتفہیم کے لیے استاد کو ان تمام علوم سے واقف ہونا ضروری ہوگا تاکہ تجریدی افسانے کے طریقِ کار کو سمجھ سکے۔ تجریدی افسانے کی تفہیم مشکل تو ہے، اس کی ہیئت کی ترسیل ہوجائے تو افسانہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ افسانہ نگار نے جن علوم سے استفادہ کیا ہے، ان تک ہماری رسائی ہو۔

(زمانۂ تحریر 2006)

'سائبان' زبیر کالونی، ہگارگا کروس، رِنگ روڈ، گلبرگہ-585104
Mobile No. +919449638983
Email:ahsuharwardy@gmail.com

مدیر : اطھر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
مطبوعہ : جاوید پریس، 2096، رودگراں، لال کنواں، دہلی-۶
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: پانچ روپے، سالانہ: 200 روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 5/-, Annual: 200/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by ***Abdul Bari*** on behalf of Anjuman Taraqqi Urdu (Hind), Urdu Ghar, 212, Rouse Avenue, New Delhi-110002 and Printed at Javed Press, 2096, Rodgran, Lal Kuan, Delhi-110006, Editor: ***Dr Ather Farouqui***